الٰہی غنچۂ اُمید بکشا
سوانح
غازی علمدین شہید
باتصویر
منگانے کا پتہ
منشی عزیز الدین نجم الدین تاجران کتب
لاہور بازار کشمیری
فہرست مفت
اس ڈیزائن کے جملہ حقوق محفوظ ہیں
فہرست مفت

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ

بڑھکر اپنی جان سے جسکو نبیؐ کا پاس ہے
امتحانِ جذبۂ ایمان میں وہ پاس ہے

سوانح عمری غازی علم الدّین شہید رح

مولفہ

صاحبزادہ محمد افضل صاحب ہاشمی حاکمی متوطن رتہ پیراں

بفرمائش
منشی عزیز الدّین نجم الدّین تاجران کتب لاہور
بازار کشمیری

بار اول　　قیمت مع محصولڈاک　　بارہ آنے ۱۲؍

ختم نبوت ﷺ زندہ باد | **عظمت صحابہ زندہ باد**

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:

معزز ممبران: آپ کا وٹس ایپ گروپ ایڈ من "**اردو بکس**" آپ سے مخاطب ہے۔

آپ تمام ممبران سے گزارش ہے کہ:

❖ گروپ میں صرف PDF کتب پوسٹ کی جاتی ہیں لہذا کتب کے متعلق اپنے کمنٹس / ریویوز ضرور دیں۔ گروپ میں بغیر ایڈ من کی اجازت کے کسی بھی قسم کی (اسلامی وغیر اسلامی، اخلاقی، تحریری) پوسٹ کرنا سختی سے منع ہے۔

❖ گروپ میں معزز، پڑھے لکھے، سلجھے ہوئے ممبرز موجود ہیں اخلاقیات کی پابندی کریں اور گروپ رولز کو فالو کریں بصورت دیگر معزز ممبرز کی بہتری کی خاطر ریموو کر دیا جائے گا۔

❖ کوئی بھی ممبر کسی بھی ممبر کو انباکس میں میسج، مس کال، کال نہیں کرے گا۔ رپورٹ پر فوری ریموو کر کے کاروائی عمل میں لائے جائے گی۔

❖ ہمارے کسی بھی گروپ میں سیاسی و فرقہ واریت کی بحث کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔

❖ اگر کسی کو بھی گروپ کے متعلق کسی قسم کی شکایت یا تجویز کی صورت میں ایڈ من سے رابطہ کیجئے۔

❖ سب سے اہم بات:

گروپ میں کسی بھی قادیانی، مرزائی، احمدی، گستاخِ رسول، گستاخِ امہات المؤمنین، گستاخِ صحابہ و خلفائے راشدین حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت حسنین کریمین رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین، گستاخ اہلبیت یا ایسے غیر مسلم جو اسلام اور پاکستان کے خلاف پراپیگنڈا میں مصروف ہیں یا ان کے روحانی و ذہنی سپورٹرز کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے لہذا ایسے اشخاص بالکل بھی گروپ جوائن کرنے کی زحمت نہ کریں۔ معلوم ہونے پر فوراً ریموو کر دیا جائے گا۔

❖ تمام کتب انٹرنیٹ سے تلاش / ڈاؤنلوڈ کر کے **فری آف کاسٹ** وٹس ایپ گروپ میں شیئر کی جاتی ہیں۔ جو کتاب نہیں ملتی اس کے لئے معذرت کر لی جاتی ہے۔ جس میں محنت بھی صَرف ہوتی ہے لیکن ہمیں آپ سے صرف دعاؤں کی درخواست ہے۔

❖ عمران سیریز کے شوقین کیلئے علیحدہ سے عمران سیریز گروپ موجود ہے۔

❖ **لیڈیز کے لئے الگ گروپ کی سہولت موجود ہے جس کے لئے ویریفکیشن ضروری ہے۔**

❖ اردو کتب / عمران سیریز یا سٹڈی گروپ میں ایڈ ہونے کے لئے ایڈ من سے وٹس ایپ پر بذریعہ میسج رابطہ کریں اور جواب کا انتظار فرمائیں۔ برائے مہربانی اخلاقیات کا خیال رکھتے ہوئے موبائل پر کال یا ایم ایس کرنے کی کوشش ہر گز نہ کریں۔ ورنہ گروپس سے تو ریموو کیا ہی جائے گا بلاک بھی کیا جائے گا۔

نوٹ: ہمارے کسی گروپ کی کوئی فیس نہیں ہے۔ سب فی سبیل اللہ ہے

0306-7163117	0343-7008883	0333-8033313
محمد سلمان سلیم	پاکستان زندہ باد	راؤ ایاز

پاکستان زندہ باد | **پاکستان پائندہ باد**

اللہ تبارک تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غرض تالیف سوانح عمری غازی علم الدین شہید رح

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم علی آلہٖ واصحابہٖ اجمعین

اِس کتاب کے پڑھنے سے معلوم ہو جائے گا کہ یہ علم الدین کی یاد میں لکھی گئی ہے۔ وہی علم الدین جسے ۶ اپریل ۱۹۲۹ء سے پہلے سوائے اسکے عزیزوں اور دوستوں کے کوئی جانتا بھی نہ تھا اور جسے اب ہر ایک جانتا اور پہچانتا ہے۔ کوئی اُسے غازی کہہ کر پکارتا ہے، کوئی شہید کہتا ہے، کوئی عاشق رسول نام رکھتا ہے۔ کوئی پروانۂ شمع رسالت خطاب دیتا ہے۔ بچّے بچّے کی زبان پر اُس کا نام ہے۔ ہر مسلمان کے دل میں اُس کی عزّت ہے۔ جس شہر میں جاؤ اُسی کا چرچا جس گاؤں سے گزرو اِسی کا ذکر۔ بیسیوں قصّے اِس کی یاد میں بنے اور لاکھوں کی تعداد میں فروخت ہو گئے۔ اس کی قسم قسم کی تصویریں لاکھوں مشتاقوں کی زینتِ خانہ بنیں۔ اخباروں میں کئی خبریں، کئی مضمون، کئی نظمیں اس کے متعلق شائع ہوئیں اور لوگوں نے شوق سے مطالعہ کیں +

عِلم الدین کی اتنی شہرت کیوں ہوئی؟ عِلم الدین نے اِتنا نام کیوں پایا؟ علم الدین ایسا محبوب کیوں بنا؟ جذبۂ عشق صادق سے۔ کس کے عشق سے؟ محمد مصطفٰے احمد مجتبٰے حبیبِ کبریا خواجۂ ہر دوسرا صلے اللہ علیہ وسلم کے عشق سے ؎

وہ عشق جس نے ناتواں کو زورِ حیدری دیا ۔۔۔ وہ عشق جس نے بے نوا کو تاجِ قیصری دیا

وہ عشق جس سے دل کو ایک لذتِ سکوں ملی　　سکوں کے ساتھ ایک عجیب نعمت جنوں ملی
وہ کس کا عشق ہے؟ حبیبِ کبریا کا عشق ہے　　وہ شاہِ دوسرا کا عشق مصطفےٰ کا عشق ہے

"اُس عشق سے ہی علم دیں محبوب مسلمیں بنا
عشاق کے قلوب میں وہ دلنشیں مکیں بنا" (حسرت)

اسی عشق نے بلالِ حبشی رضؓ کو مسلمانوں کا سردار بنایا۔ اسی عشق نے زید و خبیبؓ کا نام روشن کیا۔ اسی عشق نے ابوبکرؓ کو صدیقِ اکبر کا خطاب دلایا۔ اور اسی عشق نے ہمیں علم الدین کا عاشق بنایا۔

علم الدین ہمارا رشتہ دار نہ تھا، دوست نہ تھا، صورت آشنا نہ تھا، کچھ بھی نہ تھا، مگر اب سب کچھ ہے۔ جس کی حفاظتِ ناموس و پاسِ حرمت کے لئے اُس نے اپنی جان قربان کی ہے۔ اُسکے ساتھ ہمیں بھی نسبتِ غلامی ہے ؎

من و او ہر دو خواجہ تاشانیم　　بندۂ بارگاہِ سلطانیم

یوسفؑ کی خریداری کے لئے جہاں زلیخا خزانے لے کر آئی وہاں ایک بڑھیا سُوت کی انٹی لے کر پہنچ گئی۔ کہ خریدارانِ یوسفؑ کے زمرہ میں گنی تو جائے۔ یہی حالت ہماری ہے۔ علم الدین نے حفظِ ناموسِ حبیبِ خدا کے لئے اپنی جان فدا کر دی جی دار مسلمانوں (قیصر، اکبر، بشیر، حیرت وغیرہ) نے عاشقِ رسول کی نعش کو میانوالی سے لاہور لانے کے لئے جانبازانہ عہد کیا۔ سر شفیع۔ ڈاکٹر سر اقبال۔ مولوی قصوری۔ میاں عبدالعزیز۔ خلیفہ شجاع الدین وغیرہم نے اس معاملہ میں زبان و قدم سے سعی فرمائی۔ رفیقِ محترم، حبیبِ مکرم، مہرِ مجسم، سالکِ محتشم نے حصولِ مقصد کے لئے زورِ قلم خرچ کر دیا۔ الغرض سب نے اپنے جوہر علم الدین پر نثار کر دیئے۔ مگر مجھ سے کچھ بھی نہ ہو سکا۔ ہاں آرزو ضرور رہی کہ علم الدین کے چاہنے والوں میں میرا بھی شمار ہو۔ لہٰذا میں بحیثیتِ مؤلفہ یہی کر سکتا ہوں کہ علم الدین کے کارنامہ کی یاد

کے سلسلہ میں اُس جان نثارانہ عقیدت کا نقشہ کھینچ دوں جو مسلمانوں کو رحمتِ عالمیان خواجۂ کون و مکان شفیع عاصیان محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلّم سے ہے تاکہ ہمارے ناواقف برادرانِ وطن شانِ محمدی کو سمجھ جائیں اور تحریراً یا تقریراً کوئی ایسی بات نہ کریں جس سے مسلمانوں کے دل دُکھیں اور باہم کشیدگی پیدا ہو۔

علم الدین کے شہر کے اسلامی اخبارات میں شایع شدہ مفیدِ مطلب چند مضامین میں نے اس کتاب میں درج کر دیئے ہیں تاکہ وہ محفوظ ہو جائیں۔ یہ کتاب میں نے اس غرض سے تالیف کی ہے کہ :۔

(۱) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کی عظمت و توقیر کا اظہار ہو جائے۔

(۲) مخالفین معلوم کرلیں کہ مسلمانوں کے دلوں میں حضور کی جان نثارانہ محبت کس قدر کوٹ کوٹ کر بھری ہے تاکہ وہ پھر بے ادبی کی جرأت نہ کریں اور تعلقات کشیدہ نہ ہوں۔

(۳) علم الدین کے حالات اخبارات سے نکل کر کتابی صورت میں محفوظ ہو جائیں۔

(۴) عاشقانِ رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے ذکر سے مجھے بھی ثواب حاصل ہو۔

وما توفیقی الا باللہ

محمد افضل ہاشمی حاکمی متوطن رتہ پیراں نواسۂ اکبر

پیر محمد اشرف عالم شاہ صاحب جاگیردار و رئیس اعظم تحصیل شاہدرہ

متع اللہ المسلمین بطول حیاتہٖ

(۲۷ شعبان ۱۳۴۸ھ)

مسلمانوں کے دِل میں

حضور علیہ السّلام کی اس قدر عظمت کیوں ہے؟

مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ خداوند تعالےٰ نے سب سے پہلے نور محمدی علیہ افضل التحیۃ والسلام پیدا کیا اور پھر جو کچھ پیدا ہوا اس نور سے ہوا ؎

ہوا روشن عرب نورِ نبیؐ سے — فلاطوں بن گئے جو تھے غبی سے
ضیا، اس نور سے پائی جہاں نے — عجم نے چین نے ہندوستاں نے
چمکتے ہیں جو سورج چاند تارے — منوّر نورِ احمدؐ سے ہیں سارے
محمدؐ ہی سے یہ لوح و قلم ہیں — محمدؐ ہی سے وہ تم اور ہم ہیں
زمین و آسماں پیدا اُسی سے — ہے رازِ کُن فکاں پیدا اُسی سے
ہماری عزت و عظمت ہے اُس سے — ہماری شان اور شوکت ہے اُس سے
ہمارا دین اور ایماں ہے اُس سے — ہمارا صدق اور ایقاں ہے اُس سے

وہ محبوبِ خدا و نورِ سرمد
محمدؐ ہے محمدؐ ہے محمدؐ (ناؔمی)

قرآن شریف میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ وَاَزْوَاجُہٗ اُمَّھٰتُھُمْ پ۲۱۔ یعنی مسلمانوں کو حضور کا پاس اپنی جانوں سے زیادہ کرنا چاہیئے۔ اور حضور کی بی بیاں ادب و تعظیم میں مسلمانوں کی مائیں ہیں حدیث لا یؤمن احدکم حتّٰی اکون احبّ الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین کو بھی اس آیہ کی تفسیر سمجھنا چاہیئے۔ یعنی جو شخص اپنی جان

اپنے والدین اپنی اولاد اور تمام لوگوں سے حضور علیہ السلام کو محبوب نہ رکھے، وہ ایماندار نہیں اور نہ وہ شخص مومن ہے جس کے دِل میں حضور کی ازواج مطہرات کی عظمت نہیں۔

حضرت صدیق اکبر رضؓ سے پوچھا گیا کہ آپ کو خدا زیادہ پیارا ہے یا محبوبِ خدا فرمایا محبوبِ خدا۔ کیونکہ ہم نے خدا کو انہی کے ذریعہ پایا ہے۔ وہ آئے تو خدا ملا ورنہ وہ ازل سے موجود تھا۔ سر اقبال نے اس مضمون کو کیا ہی خوب ادا کیا ہے ؎

معنیٔ حرفم کنی تحقیق اگر بنگری با دیدۂ صدیقؓ اگر
قوتِ قلب و جگر گردد نبیؐ از خدا محبوب تر گردد نبیؐ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْھَرُوْا لَہٗ بِالْقَوْلِ کَجَھْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ پ۲۶ ۱۳ اس آیت میں حکم ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے نہایت نرم آواز میں بات کرو ورنہ تمہارے عمل ضائع ہو جائیں گے۔ یہ اسی ارشاد کا اثر تھا کہ حضور کی مجلس سکوت و وقار کا مظہر ہوتی تھی۔ اب تک مسلمان حضور حیات النبی کے روضہ منورہ کے پاس بھی اسی ادب کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ حجاز میں جب دو مسلمان بآواز بلند جھگڑتے ہوں اور تیسرا صلوا علی محمدؐ کہہ دے تو وہ فوراً خاموش ہو جاتے ہیں۔

قرآن شریف پارہ ۵ رکوع ۶ میں ارشاد ہوتا ہے کہ فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَ یُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا کہ مسلمان ایماندار نہیں ہو سکتے۔ جب تک اپنے تنازعات میں رسول اللہ کو حکم نہ بنالیں اور آپ کے فیصلہ کے سامنے گردنِ تسلیم خم نہ کردیں۔ مسلمانوں نے اس پر کہاں تک عمل کیا۔ اِس ایک

واقعہ سے معلوم ہو سکتا ہے۔ ایک یہودی اور مسلمان کا کوئی جھگڑا تھا۔ مقدمہ حضور علیہ السلام کے سامنے پیش ہوا۔ آپ نے یہودی کے حق میں ڈگری دی۔ مسلمان کی ایمانداری کا بھانڈا اچھوٹ پڑا۔ وہ حضرت عمر فاروق اعظم کے پاس وہی مقدمہ لے کر آیا۔ کہ شاید آپ جوشِ اسلامی میں سرشار ہونے کی وجہ سے میرے حق میں فیصلہ کریں۔ یہودی نے عرض کیا حضورؐ میرے حق میں فیصلہ فرما چکے ہیں۔ عمرؓ نے کہا۔ پھر یہ مومن نہیں جو حضور کا فیصلہ نہیں مانتا۔ ٹھیرو میں ابھی اس کا فیصلہ کئے دیتا ہوں۔ فوراً اپنی تلوار کو حرکت دی اور اس منکر کا سر تن سے الگ تھا۔

جو نہ ہو فیصلۂ پاک نبیؐ سے راضی   فیصلہ چاہیئے تلوار سے اسکا کرنا

اس سے وہ لوگ عبرت حاصل کریں جو مال کی طمع میں کہدیا کرتے ہیں کہ ہم شرع محمدی کو نہیں مانتے بلکہ رواج کے پابند ہیں۔ آیۂ مبارکہ مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا پ۲۸ ع ۴ میں بھی یہی حکم دیا گیا ہے کہ جو رسول اللہ دیں وہ لے لو اور جس سے وہ منع کریں اُس سے باز رہو۔ ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ یعنی جس نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی اُس نے گویا اللہ ہی کی اطاعت کی۔ اس سے حضورؐ کی شان وعظمت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

مسلمان گو اعمال میں بہت کمزور ہو گئے ہیں اور اُن میں قرون اُولیٰ کے باعمل دینداروں کی سی حرارتِ دینی نہیں رہی مگر رسولؐ اللہ کی محبت ابھی اُن کے دلوں میں باقی ہے۔ جہاں کوئی حضور علیہ السلام کے خلاف مُنہ سے بے ادبانہ کلمہ نکالتا ہے۔ وہ بے تابانہ تڑپ اُٹھتے ہیں اور جب تک اُس کا تدارک نہیں کر لیتے چین نہیں آتا۔ دوسرے مذاہب والے اس سے حیران اور متعجب ہوتے ہیں۔

اگر وہ تاریخ اسلام کا مطالعہ کریں تو وہ جان لیں گے کہ مسلمان فطرتاً حضور نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم و تکریم کرنے پر مجبور ہے شیخ الاسلام ابن تیمیہ جنہیں اہل حدیث اپنا مقتدا مانتے ہیں۔ کتاب الصارم المسلول علے شاتم الرسول لکھ گئے ہیں۔ جس میں وہ فرماتے ہیں:۔ اِنَّ جهة حرمة الله تعالٰے ورسوله جهة واحدة فمن اذی الرسول فقد اذی الله ومن اطاعه فقد اطاع الله لانّ الامة لا یصلون ما بینهم و بین ربهم الّا بواسطة الرسول لیس لاحد منهم طریق غیره ولا سبب سواه وقد اقامه الله مقام نفسه فی امره ونهیه و اخباره و بیانه فلا یجوز ان یفرق بین الله ورسوله فی شیئ من هذه الامور ۔ (ترجمہ) اللہ اور رسول کی حرمت کی جہت ایک ہے۔ جس نے حضورؐ کو ایذا دی اُس نے گویا اللہ کو تکلیف دی اور جس نے حضور کی اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی کیونکہ امت بلا واسطہ رسول اُس چیز کو نہیں پہنچ سکتی جو اللہ اور بندوں کے درمیان ہے۔ سوائے رسول اللہ صلعم کے امت کیلئے کوئی سبیل اور واسطہ نہیں ہے۔ تحقیق اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کو اپنا قایم مقام کیا ہے تمام اوامر و نواہی میں اپنی خبر دینے میں اور بیان میں۔ اور ان امور میں اللہ اور رسولؐ کے درمیان فرق کرنا جائز نہیں۔

شیخ الاسلام پھر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم کو بُرا کہنے والا مرتد سے زیادہ مجرم ہے۔ اس جرم میں کعب بن اشرف یہودی، ابن خطل (باوجود کعبہ میں پناہ لینے کے) ابی رافع الیہودی، ابوجہل وغیرہ قتل کئے گئے۔ حضور کی عزت و توقیر ہم پر اللہ نے فرض کر دی ہے۔ حضورؐ کی مدح، آپ کی تعظیم اور

محبت ایمان کے لئے لازم ہے اسکی تعظیم اور ثنا کا قیام دین کا قیام ہے۔ حضور کی شان میں گستاخانہ کلام کرنا امت کے لئے جائز نہیں ہے۔ اگر گستاخی کنندہ مسلمان ہو تو اس کے توبہ کرنے پر بھی سزائے قتل ساقط نہیں ہو گی۔

پھر آپ امام مالک علیہ الرحمۃ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو کوئی حقارتاً کہے کہ رسول اللہ صلعم کی چادر کیسی میلی تھی۔ یا آپ کے لئے ڈیل رولائے ہے وغیرہ) الفاظ استعمال کرے یا اسود (سیاہ فام) کہے تو وہ بھی بدگوؤں میں شمار ہو گا۔ اگر کوئی ذومعنی لفظ استعمال کرے جس میں کوئی ذم کا پہلو نکلتا ہو اور بعد میں اُس کی تاویل بھی کر دے تو اُس کی تاویل قبول نہ کی جائے گی۔ امام مالک کے سامنے دو آدمی آپس میں جھگڑ رہے تھے۔ ایک نے کہا کہ تم اُمّی ہو یعنی ان پڑھ۔ اُس نے کہا کہ اُمّی تو حضور بھی تھے۔ اس پر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے قتل کا فتوےٰ صادر فرما دیا۔

جو شخص انبیاء میں سے کسی کی شان میں بے جا کہے اُس نے گویا حضور علیہ السلام کی شان میں گستاخی کی۔ حضرت صدیق اکبر کو اپنی خلافت کے دوران میں اطلاع ملی کہ آپ کے ماتحت ایک والی نے ایک عورت کے دانت اکھیڑ دیے ہیں۔ کیونکہ اُس (عورت) نے حضور علیہ السلام کی شان میں ناسزا کلمات کہے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ اب سزا دی جا چکی ہے ورنہ میں حکم دیتا کہ عورت کو قتل کر دیا جائے۔ کیونکہ جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی سے پیش آئے اُس کی سزا قتل ہے۔

یہ ہیں حالات جو مسلمانوں کو شرعاً مجبور کئے ہوئے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ کی محبت کو جزو ایمان سمجھیں۔ اور آپ کی نسبت بے ادبانہ کلمات سُن کر تڑپ اُٹھیں حضور تو فخر الانبیاء اور خاتم الرسل ہیں۔ مسلمان کے لئے ہر نبی و رسول علےٰ نبیّنا وعلیہ السّلام کی حرمت کی نگہداشت ضروری ہے۔ پس جو کوئی عیسائیوں اور

موسائیوں یعنی یہود و نصاریٰ کے برگزیدہ نبیوں کی نسبت کلمۂ توہین استعمال کرے گا۔ مسلمان اُس سے ضرور اظہارِ نفرت و بیزاری کریں گے ؂

جہاں مسلمان کے لئے اپنے بزرگانِ دین کا تحفظِ ناموس ضروری ہے وہاں اُن کو یہ بھی حکم ہے کہ وہ کسی غیر مذہب کے معبودوں کو گالی نہ دیں۔ کیونکہ ہر ایک کو اپنا مقتدا پیارا ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو آیت لاتسبوا الذین یدعون الخ پس اُن مسلمان کہلانے والوں کو جو اس امر میں بے احتیاط واقع ہوئے ہیں۔ سمجھ سے کام لینا چاہئے اور ملاحیاں سننے کا موجب نہیں بننا چاہیئے ؂ وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ ؂

حضرت حارثؓ کی جاں نثاری

جب حضور علیہ السلام کے جاں نثاروں کی تعداد مکہ میں چالیس تک پہنچ گئی تو آپ حرمِ کعبہ میں تشریف لائے اور لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا نعرہ مارا۔ جسے سُن کر تمام مشرکین آپ پر ٹوٹ پڑے۔ آپ کے ربیب یعنی حضرت خدیجہؓ کے پہلے شوہر سے بیٹے حارث بن ابی ہالہ بڑھے اور حضور کے سینہ سپر بن گئے دشمنوں کا جو وار ہوتا اسے آپ اپنے جسم پر لے لیتے حتیٰ کہ ضربات کے بعد موں سے جاں بر نہ ہو سکے اور حضورؐ پر جان نثار کر کے اسلام کے شہیدِ اوّل کہلائے خوش قسمت ہے حارثؓ جسے سب سے پہلے حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم پر جان قربان کرنے کا شرف حاصل ہوا ؂

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی سینہ سپری

حضور علیہ السلام ایک دفعہ صدیق اکبر کے ساتھ حرم کعبہ میں نماز پڑھنے تشریف لے گئے۔ جب آپ نماز پڑھ رہے تھے عقبہ بن ابی معیط نے آپ کی گردن میں چادر لپیٹ کر نہایت زور سے کھینچی۔ یہ سلوک دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ عقبہ کی طرف جھپٹے اور حضور کو اس کے ہاتھ سے چھڑا لیا اور کہا کہ تم اس کو کس خطا پر مارتے ہو؟ صرف اس پر کہ وہ کہتے ہیں کہ خدا ایک ہے!

یہ سن کر عقبہ اور دیگر مشرکین حضور کو چھوڑ کر صدیق اکبرؓ کو چمٹ گئے اور زد و کوب کرنے لگے اور آپ کو اس قدر پیٹا کہ آپ کا تمام جسم سوج گیا۔ اور آپ بیہوش ہو گئے۔ (ناسخ التواریخ صفحہ ۵۰) نظم ما قبل

رو و سر زخمی ہوا عاشق کا حملے رو گئے
جان سے صدیقؓ کو پیارا وہ احمد یار تھا

سختیاں بیحد سہیں ہنس کر اُف تک کی
یار کے دل میں وہ عشق احمد مختار تھا

اس زد و کوب عدو نے کر دیا اُس کو نڈھال
جسم زخم لالہ گوں سے رشک صد گلزار تھا

مار کر دانست اپنی میں ہٹے وہ اشقیا
حالت صدیقؓ سے قلب نبی افگار تھا

ہوش جب آیا تو دیکھا سر بآغوش حبیب
مٹ گیا جو کچھ درد سب موجود جب دلدار تھا

تعذیب مسلمین فی عشق سید المرسلین

دولتمند اور فیاض ابوبکرؓ کے علاوہ اور غریب مسلمان بھی تھے۔ جن کو عشق

محمدؐ کی وجہ سے مشرکین نے ظلم وجور کا تختۂ مشق بنائے رکھا جن میں سے کئی ایک نے ناقابلِ برداشت مظالم کا شکار ہو کر جان جاں آفریں کے سپرد کر دی ؎

چہ شیریں است دردِ عشق ہے ہے ؏ کہ عاشق جاں دہد در لذّتِ وے

مشرکین نے ان عاشقانِ رسول مثل بلالؓ، عمارؓ اور ان کے والد یاسرؓ اور والدہ سمیہؓ، صہیبؓ، ابو فکیہہؓ، لبینہؓ، زنیرہؓ، نہدیہؓ، ام عبیسؓ عامرؓ بن فہیرہؓ اور خباب ابن الارتؓ کو عذاب دینے کے انواع و اقسام کے طریقے اختیار کئے۔ کسی کو جلتی دھوپ میں لٹا کر چھاتی پر پتھر رکھ دیتے۔ کہ کروٹ نہ بدل سکے۔ لوہا گرم کر کے اُس سے بدن کو داغتے، کوئلے جلا کر زمین پر بچھا دیتے اور عاشقانِ رسول کو اُن پر چت لٹا دیتے۔ چھاتی پر پاؤں رکھ کر کھڑے ہو جاتے کہ کروٹ نہ لیں، پاؤں میں رسّی ڈال کر کھینچتے اور تپتی ہوئی زمین پر ننگا جا لٹاتے، اوپر سے کانٹوں والی شاخیں مارتے اور کہتے۔ توبہ کرو اور احد و احمد کا نام لینا چھوڑ دو۔ یہ مظلوم جب بے ہوش ہو جاتے۔ تو ظالم ان کو چھوڑ کر چلے آتے۔ جب ہوش آتا تو پھر وردِ نام محمد و اَحَد شروع کر دیتے اور کہتے ؏

اے محمدؐ اے عدو توبہ ؎

سید و سرور محمد نورِ جاں ؏ مہتر و بہتر شفیعِ مجرماں

اے تنِ من سے رگِ من پُر ز تو ؏ توبہ را گنجا کجا باشد در او

توبہ را زیں پس ز دل بیروں کنم ؏ از حیاتِ خلد توبہ چوں کنم

نعرۂ مستانہ خوش می آیدم ؏ تا ابد جاناں چنیں مے بایدم

گر ز زخمِ خار تن غربال شد
جان و جسمم گلشن اقبال شد
(مثنوی مولینا رومؒ)

یہ اشعار خاص حضرت بلال رضہ کے متعلق ہیں۔ جن کو اُن کا یہودی آقا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرنے پر سخت تکلیف دیتا تھا حضرت صدیق اکبر رضہ نے یہ سختی دیکھ کر نصیحت کی کہ محبت دل ہیں رکھو اور اس کے اظہار سے توبہ کرو۔ بلال رضہ نے کہا بہت اچھا اب دل ہی دل میں یادِ محبوب رکھا کروں گا۔ مگر جب عشق زور کرتا تو پھر وہی مستانہ نعرے مارنے لگ جاتے اور کہتے یا حبیب اللہ! آپ کا عشق توبہ کا دشمن ہے۔ میری رگ رگ میں آپ سمائے ہیں۔ یہاں توبہ کی گنجایش کہاں۔ اب میری توبہ سے توبہ ہے۔ میں حیاتِ خلد سے توبہ کس طرح کروں۔ مجھے احد احد، احمد احمد کا مستانہ نعرہ ہی بھاتا ہے اور یہی جی چاہتا ہے کہ ہمیشہ حبیبِ خدا ہی میرے سامنے رہیں۔ یہودی نے اگرچہ کانٹوں بھری شاخیں مار مار کر میرے بدن کو چھلنی کر دیا ہے مگر کچھ پروا نہیں۔ میری جان اقبالمندی کی پھلواری بن گئی ہے +

حضرت ابوبکر صدیق رضہ عاشقِ رسول کو عذاب میں مبتلا دیکھنا کب گوارا کر سکتے تھے۔ آپ کا مال راہِ خدا میں وقف تھا۔ چنانچہ آپ نے زرِ خطیر دے کر حضرت بلال رضہ کو آزاد کرا دیا۔ لبینہ، زنیرہ، نہدیہ، ام عبیسؓ اور عامر بن فہیرہ رضہ کو بھی غلامی سے رہائی دلائی +

ابوجہل نے والدۂ سمیہ کو برچھی مار کر ہلاک کر دیا۔ اور اسی طرح والد عمار رضہ بھی مشرکین کی اذیت سے جاں بر نہ ہو سکے۔ حضرت صہیبؓ رومی کو سب مال و متاع چھوڑ کر ہجرت کرنی پڑی۔ حضرت عمر رضہ کے دل میں ان کی اس قدر عزت تھی کہ جب آپ کو مجوسی نے مسجد میں زخمی کیا تو آپ نے اپنی جگہ انہی کو امامِ جماعت بنایا +

ان بارہ جاں نثاروں میں پانچ عورتیں تھیں جن کو مخالفین کی اذیتیں صراطِ

مستقیم سے متزلزل نہ کر سکیں اور وہ مرتے دم تک حق پر قائم رہیں۔ ان تمام جان نثارانِ نبیؐ کے حالات مولانا شبلی نعمانی مرحوم نے بھی سیرت النبی میں بیان کر دیئے ہیں ؂

اسیطرح حضرت عثمان رضؓ ابوذرؓ زبیرؓ سعید بن زیدؓ اور سعدؓ بن وقاص کو حضور علیہ السلام پر ایمان لانے کی وجہ سے طرح طرح کی تکلیفیں دی گئیں، مگر بقول شبلی یہ تمام مظالم، یہ جلادانہ بے رحمیاں، یہ عبرت خیز سفاکیاں ایک مسلمان کو بھی راہِ حق سے متزلزل نہ کر سکیں۔ ایک نصرانی مؤرخ نے نہایت سچ کہا ہے۔

"عیسائی اس کو یاد رکھیں تو اچھا ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مسائل نے وہ درجہ نشۂ دینی کا آپ کے پیروؤں میں پیدا کیا جس کو عیسےٰ کے ابتدائی پیروؤں میں تلاش کرنا بے فائدہ ہے۔ جب عیسےٰ کو سُولی پر لے گئے تو اُن کے پیرو بھاگ گئے۔ اِن کا نشۂ دینی جاتا رہا اور اپنے مقتدا کو موت کے پنجہ میں گرفتار چھوڑ کر چل دیئے۔ برعکس اس کے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیرو اپنے مظلوم پیغمبر کے گرد آئے اور آپ کے بچاؤ میں اپنی جانیں خطرہ میں ڈال کر کل دشمنوں پر آپ کو غالب کیا۔"

(اپالوجی گاڈ فری ہیگنس ترجمہ اردو صفحہ ۶۶، ۷۶ مطبوعہ بریلی)

جان نثاری صحابہ کرامؓ بغزوۂ بدر

حضور علیہ السلام اور صحابہ کرامؓ نے اپنے وطنِ مالوف کو چھوڑ دیا۔ مگر

مشرکین مکہ کو یہ بھی گوارا نہ ہوا۔ کہ وہ سینکڑوں میل دور بیٹھ کر بھی خدائے واحد کی پرستش کریں۔ وہ ڈیڑھ سال تیاری کرتے رہے۔ اور آخر رمضان ۲ھ کو ایک ہزار کی جمعیت سے چڑھائی کر دی۔ حضور کے جان نثاروں کی تعداد صرف تین سو تیرہ تھی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضہ وغیرہ مہاجرین نے جان نثارانہ تقریریں کیں۔ حضور نے جب انصار کی طرف دیکھا تو انہوں نے کہا کہ خدا کی قسم آپ فرمائیں تو ہم سمندر میں کود پڑیں۔ ہم موسیٰ ؑ کی قوم کی طرح یہ نہ کہینگے کہ آپ اور آپ کا خدا جا کر لڑے۔ ہم لوگ آپ کے داہنے سے، بائیں سے، سامنے سے، پیچھے سے لڑیں گے۔ صحابہ کرام کی تقریروں سے حضور کا چہرہ چمک اٹھا۔ بدر کے مقام پر دو صفیں آمنے سامنے قبائل کی ہوئیں۔ حق و باطل ونور و ظلمت اور کفر و اسلام۔ یہ عجیب منظر تھا کہ اتنی بڑی وسیع دنیا میں توحید کی قسمت صرف چند جانوں پر منحصر تھی۔ حضور علیہ السلام پر سخت خضوع کی حالت طاری تھی۔ دونوں ہاتھ پھیلا کر فرماتے تھے

الٰہی ترے خاص بندے یہ چند	جو احکام پر ہیں ترے کاربند
کمربستہ ہیں سب ترے حکم پر	نہیں اُن کو اعدا کی کثرت سے ڈر
رہے فتح سے گر یہ کوتاہ دست	ہوئی ان کو دشمن سے حاصل شکست

تو روئے زمیں پر رہے گا نہ کوئی عبادت گزیں

اس بے قراری پر بندگان خاص کو رقت آگئی۔ حضرت ابو بکر رضہ نے عرض کیا حضور بے قرار نہ ہوں اللہ اپنا وعدہ پورا کرے گا۔ اور حضور کے غلام فتحیاب ہوں گے۔

یہ معرکہ ایثار و جان بازی کا سب سے بڑا منظر تھا۔ دونوں فوجیں سامنے

آئیں تو لوگوں نے دیکھا کہ خود ان کے جگر کے ٹکڑے تلوار کے سامنے ہیں۔ حضرت ابوبکر رضؓ کے بیٹے (جو اب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) میدانِ جنگ میں بڑھے تو حضرت ابوبکر رضؓ تلوار کھینچ کر نکلے۔ عتبہ میدان میں آیا تو اُس کے فرزند حضرت حذیفہؓ اس کے مقابلہ کو نکلے۔ حضرت عمر رضؓ کی تلوار ماموں کے خون سے رنگین تھی۔ الغرض جان نثارانِ نبیؐ اس بے جگری سے لڑے کہ میدان بتائید ایزدی مسلمانوں کے ہاتھ رہا اور مشرکین ایک سو چالیس کشتے اور اسیر چھوڑ کر فرار ہو گئے۔

غزوۂ احد میں صحابۂ کرام کی فداکاریاں

چونکہ غزوۂ بدر میں بڑے بڑے سردارانِ مشرکین مثل ابوجہل اور عتبہ وغیرہ فی النار ہو چکے تھے اور مکہ میں گھر گھر ماتم کی صفیں بچھ گئی تھیں۔ اس لئے مقتولین کے متعلقین نے تہیہ کر لیا کہ اب مکمل تیاری سے مدینہ منورہ پر حملہ کیا جائے اور مسلمانوں کو بالکل مٹا دیا جائے۔ چنانچہ وہ ایک سال کے بعد پہلے سے تگنی (تین ہزار) جمعیت کے ساتھ (جوش بڑھانے کے لئے عورتوں کو بھی ساتھ لئے ہوئے) مکہ سے روانہ ہوئے اور ۷ شوال ۳ھ کو بمقام اُحد جو مدینہ کے پاس ہی ہے، سات سو جان نثارانِ محمد صلعم سے جا ٹکرائے اور مُنہ کی کھائی۔ اسلامی تیر انداز مشرکین کو منہزم دیکھ کر حضور علیہ السلام کا حکم فراموش کر کے اپنے مورچہ سے باہر آ گئے۔ یہ دیکھ کر بھاگے ہوئے دشمن خالد بن ولید کی قیادت میں (جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے) پلٹ پڑے۔ اور مسلمانوں کو بمعہ حضور علیہ السلام چشم زخم پہنچا۔ اس موقع پر صحابۂ کرام نے جو جاں نثاری

دکھائی وہ قابلِ ذکر ہے:۔

حضرت مصعب بن عمیر علمبردار نبی صلعم جو حضور سے صورت میں مشابہ تھے، کے شہید ہونے پر غل مچ گیا کہ حضورؐ نے شہادت پائی۔ اس آواز سے عام بدحواسی چھاگئی اور بڑے بڑے دلیروں کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ حضورؐ کے مقرّبین خاص حضرت ابوبکر صدیق رضؓ، علیؓ مرتضیٰ، سعدؓ بن وقاص، زبیرؓ بن العوام، ابودجانہ طلحہ رضؓ وغیرہ حضور پر سے دشمنوں کے حملوں کو روکتے رہے۔ کفار نے کہا کہ ان مٹھی بھر جاں نثاروں کا خاتمہ کردینا کونسی بڑی بات ہے۔ چنانچہ انہوں نے ان پر جان توڑ حملے شروع کردیئے۔ دَل کا دَل ہجوم کر کے بڑھتا تھا مگر جاں نثاروں کی تلواروں سے یہ بادل پھٹ پھٹ کر رہ جاتا تھا۔ ایک دفعہ زیادہ ہجوم ہوا تو حضور نے فرمایا۔ کون مجھ پر جان فدا کرتا ہے! زیاد بن سکن پانچ انصاری لے کر اس خدمت کے ادا کرنے کے لئے بڑھے اور ایک ایک نے جاں بازی سے لڑکر جانیں فدا کردیں۔ زیاد نے اس حالت میں جان دی کہ مُنہ حضورؐ کے قدموں پر تھا ؎

بچہ ناز رفتہ باشد زجہاں نیاز مندے\
کہ بوقتِ جاں سپردن بسرش رسیدہ باشی

عبداللہ بن قمیئہ قریش کا مشہور زرہ پوش بہادر بڑھ کر حضور کے چہرہ مبارک پر تلوار مارنے لگا تو ایک بی بی اُمِ عمارہ سینہ سپر ہوگئیں۔ اور جھپٹ کر عبد اللہ پر تلوار سے حملہ کیا جو زرہ پر کارگر نہ ہوا۔ اس جان نثار خاتون کے کندھے پر زخم سے غار پڑ گیا۔ حضور علیہ السلام کے چہرہ میں خود کی دو کڑیاں چُبھ کر رہ گئیں جنہیں حضرت ابوعبیدہ (فاتح بیت المقدس) نے اپنے دانتوں سے نکالنے کی کوشش کی مگر دانت ٹوٹ گئے۔ چاروں طرف سے تلواریں اور

تیر برس رہے تھے یہ دیکھ کر فدا کاروں نے آپ کو حلقہ میں لے لیا۔ ابو دجانہ رض
جھک کر سپر بن گئے۔ اب جو تیر آتے تھے ان کی پیٹھ پر آتے تھے۔ طلحہ رض نے
تلواروں کو ہاتھ پر روکا، ایک ہاتھ کٹ کر گر پڑا۔ حضرت انس کے علاتی بھائی
ابو طلحہ رض نے ڈھال سے حضور کے چہرے پر اوٹ کر لیا اور خود سینہ پر تیر کھائے
حضرت سعد رض (فاتح ایران) حضور کے ماموں جو مشہور تیر انداز تھے اس وقت
آپ کے پاس حاضر تھے۔ حضور نے اپنا ترکش ان کے آگے ڈال دیا اور فرمایا
"تم پر میرے ماں باپ قربان، تیر مارتے جاؤ"۔
حضور ثابت قدم صحابہ رض کے ساتھ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے۔ دشمن بھی
چڑھنے لگے تو حضرت عمر رض اور دیگر جان نثاران نبی نے پتھر برسا کر انہیں واپس کر
دیا۔ دشمنوں کا سردار سامنے کی پہاڑی پر چڑھ کر پکارا۔ یہاں محمد ہیں! حضور نے
حکم دیا کوئی جواب نہ دے۔ پھر پکارا ابوبکر رض ہیں۔ پھر بھی جواب نہ ملا۔ پھر کہا عمر رض
ہیں۔ جب کچھ آواز نہ آئی تو پکار کر بولا سب مارے گئے! حضرت عمر رض ضبط نہ کر
سکے۔ بولے۔ او دشمن خدا ہم سب زندہ ہیں۔ اُدھر سے ہُبل اور عُزّیٰ (بتوں)
کا نام پکارا گیا اور ادھر سے اللہ اکبر کا۔ حضرت صفیہ رض کے بھائی اسد اللہ حضرت
حمزہ رض شہید ہوئے۔ تو دشمنوں نے ان کی لاش کو چور نگ کر دیا۔ بہن نے
اپنے بھائی کے پارہ پارہ جسم کا مشاہدہ کیا تو کچھ نوحہ زاری نہ کی صرف انّا للہ و
انّا الیہ راجعون کہہ کر چپ ہو رہی۔
انصار میں سے ایک دیندار خاتون کا بھائی، باپ اور شوہر مارا گیا۔ اس نے
پوچھا حضور تو سلامت ہیں! جواب ملا، ہاں الحمد للہ بخیر ہیں۔ وہ بے تابانہ حضور
کے دیدار کو بڑھی اور زیارت کر کے بولی۔ ؎
میں بھی اور باپ بھی شوہر بھی برادر بھی فدا (شبلی) اے شہِ دیں ترے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

قصہ مختصر اس دفعہ بھی دشمن اپنے ارادۂ بد میں ناکام رہ کر مکہ کو واپس لوٹے۔ فدایانِ محمدؐ نے دنیا پر ثابت کر دیا کہ جب تک اُن کے جسم میں جان ہے وہ رسول اللہ صلعم پر قربان ہونے کو ہر وقت حاضر ہیں۔

مکہ میں جاں نثارانِ محمدؐ حضرت زیدؓ اور خبیبؓ رسول اللہ کے دو سچے عاشق مشرکینِ مکہ کی قید میں ہیں جو دھوکہ سے پکڑے آئے ہیں۔ اُن کے قتل کے لئے ایک وقت مقرر کیا جاتا ہے۔ رؤسائے مکہ تماشا دیکھنے کے لئے آتے ہیں۔ مظلوموں سے پوچھا جاتا ہے کہ بتاؤ تمہیں کس طرح قتل کریں۔ آپ جواب دیتے ہیں کہ جب اسلام کے لئے قتل ہو رہے ہیں تو ہمیں اس کی پروا نہیں کہ کس پہلو پر قتل کئے جائیں۔ یہ جو کچھ ہے خدائے محمد صلے اللہ علیہ وسلّم کے لئے ہے۔ اگر وہ چاہے گا تو ہمارے جسم کے پارہ پارہ ٹکڑوں پر برکت نازل کریگا ہاں قتل سے پہلے نماز پڑھ لینے دو۔ چنانچہ وہ نماز سے جلد فارغ ہو جاتے ہیں تاکہ دشمن یہ نہ سمجھیں کہ موت میں توقف ڈالنے کے لئے نماز کو طول دے رہے ہیں۔

دشمن ان کے قتل کے لئے نیزہ بزاروں کو مامور کر دیتے ہیں کہ ان کے چرکوں سے تڑپا تڑپا کر مارو۔ ایک ظالم نیزہ سے ان کا جگر چھید ڈالتا ہے۔ اور پوچھتا ہے کہ سچ کہنا اس وقت تو تم دل میں کہتے ہو گے کہ یہ مصیبت ہمیں محمدؐ کی وجہ سے آئی ہے۔ اس وقت اُسے قتل ہونا چاہیئے تھا تاکہ تمہاری جان بچ جاتی عاشقانِ محمدؐ بولے۔ خدا کی قسم ہم تو یہ بھی پسند نہیں کرتے کہ ہماری جان بچانے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے مبارک میں ایک کانٹے کی نوک بھی چبھے۔ الغرض ان عاشقانِ محمدی کو بڑے تنداہوں سے شہید کر دیا جاتا ہے مگر وہ آخر دم تک محبت رسول میں ثابت قدم رہتے ہیں۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

علم الدینؒ جیسے عاشق

عشقِ رسولﷺ کی قربان گاہ پر

پرستارانِ لات و نسر مشکیں زیدؓ کی کس کر
جب اس اسلام کے شیدا کو مقتل کی طرف لائے

قریش اپنے جلے تن کے پھپھولے پھوڑنے نکلے
گھروں سے رقصِ بسمل کا تماشہ دیکھنے آئے

جبینِ زیدؓ پر اس وقت وہ رونق برستی تھی
کہ صبحِ اولیں کے نور کی بارش بھی شرمائے

یہ اطمینانِ خاطر دیکھ کر کفر اور جھلایا
دلوں کی تیرگی نے بدر کے داغ اور چمکائے

پکارا ایک دشمن کیا ہی اچھا ہو محمدؐ کو
ترے بدلے اگر جلاد خاک و خوں میں تڑپائے

تڑپ اٹھتا ہوں جب مجھکو وہ فقرے یاد آتے ہیں
بوقتِ ذبح اس عاشق نے جو اس طرح دہرائے

مجھے ناز اپنی قسمت پر ہو گر نامِ محمدؐ پر
یہ سر کٹ جائے اور تیرا سراپا اس سے ٹھکرائے

یہ سب کچھ ہے گوارا پر یہ دیکھا جا نہیں سکتا
کہ ان کے پاؤں کے تلوے میں اک کانٹا بھی چبھ جائے

(ظفر علیخاں)

عاشقانِ رسولؐ کی عقیدت سے دشمن بھی متاثر ہوا

سنہ ۶ھ میں جب حضور علیہ السلام اپنے چودہ سو جان نثاروں کے ساتھ عمرہ کی نیت سے مدینۂ منورہ سے مکہ معظمہ کو روانہ ہوئے تو بمقام حدیبیہ (مکہ سے ایک منزل) مکیوں کی طرف سے عروہ بن مسعود گفتگو کرنے کے لئے حاضر ہوا۔ اس نے دورانِ گفتگو میں کہا کہ محمدؐ! اگر لڑائی کا رُخ بدلا تو تمہارے ساتھ یہ جو بھیڑ ہے گرد کی طرح اُڑ جائے گی۔ حضرت ابوبکرؓ کو اس بدگمانی پر بڑا غصہ آیا۔ آپ نے نہایت سخت الفاظ میں اُس سے خطاب کیا اور کہا کہ کیا اہلِ مکہ نے بدر، احد، اور احزاب کے معرکوں میں نہیں دیکھ لیا کہ عاشقانِ رسول کو کوئی طاقت جادۂ وفا سے منحرف کر سکتی ہے! جب ہم تین سو (۳۱۳) تھے تو دشمن ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکا کیا اب چودہ سو کو وہ شکست دے سکتا ہے؟ یہ جماعت خدا کی تائید اور محمدؐ کی دعا سے عرب تو رہا ایک طرف دنیا کے گوشہ گوشہ میں باطل کو سرنگوں کر کے حق کا ڈنکہ بجانے والی ہے۔ یہ خیالِ خام دل سے نکال دے کہ ہم محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو چھوڑ کر چلے جائیں گے ؎

بود تا کیف جان و در تن تواں بیاریم شمشیر بر دشمناں

عروہ حضور علیہ السلام سے بے تکلفانہ گفتگو کر رہا تھا اور جیسا کہ عرب کا قاعدہ ہے اسنے ہنگامِ تکلم اپنا ہاتھ حضور کی ریش مبارک کو لگایا۔ مغیرہ بن شعبہ حضورؐ کے پیچھے ہتھیار لگائے کھڑے تھے وہ اس جرأت کو گوارا نہ کر سکے اور کہنے لگے "عروہ! اپنا ہاتھ ہٹا لے ورنہ یہ ہاتھ بڑھ کر واپس نہ جا سکے گا" یعنی میں اسے تلوار سے قلم کردوں گا۔

صحابہ رض کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ حیرت انگیز منظرِ عقیدت عروہ کو ازحد مؤثر ہوا اور اُس نے قریش سے جاکر جو کچھ کہا، وہ صحابۂ کرام کے مخالف مؤلف حملۂ حیدری کے قلم سے بھی بے اختیارانہ نکل کر برشتۂ کاغذ آگیا ہے ؎

کہ من آنچہ دیدم زیارانِ او	ازاں سر بکف جاں نثارانِ او
در ایراں در روم و در زنگبار	ندیدم زنینک و بد آں دیار
کہ دارند پاسِ شہِ خود چنیں	بسایند بر نقشِ پایش جبیں
محمد گر اندازد آبِ دہن	براں آب خوں می کنند انجمن
کہ گیرند آں آب و مالند رو	وزاں آب تازہ کنند آبرو
دگر ہر کراں ہینی از مہتراں	کند کفشِ او پاک چوں کہتراں
برآب وضوئش نزاعے کنند	کہ خواہند سر ہائے خود لب شکنند

"یعنی میں نے قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے دربار دیکھے ہیں۔ یہ عقیدت اور وارفتگی کہیں نہیں دیکھی۔ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) بات کرتے ہیں۔ تو سناٹا چھا جاتا ہے۔ کوئی شخص ان کی طرف نظر بھر کر نہیں دیکھ سکتا۔ وہ وضو کرتے ہیں تو پانی جو گرتا ہے اُس پر خلقت ٹوٹ پڑتی ہے۔ بلغم یا تھوک گرتا ہے۔ تو عقیدت کیش ہاتھوں ہاتھ لیتے اور چہرہ اور ہاتھوں میں مل لیتے ہیں۔ بڑے بڑے لوگ کمینوں کی طرح اس کی جوتیاں جھاڑتے ہیں۔"

عاشقانِ رسولؐ

رسمِ عاشق نیست با یک دل دو دلبر داشتن
یا زجاناں یا زجاں بایست دل بر داشتن

مسلمان کی سب سے گراں مایہ متاعِ حیات محبت رسولؐ ہے۔ اور جس شخص کا دامن اس متاع سے خالی ہے۔ اُس کا دعوائے اسلام و ایمان ادّعائے بے دلیل ہے۔ خالق جل و علا کا ارشاد ہے کہ مومن وہی ہے۔ جو محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنی جان سے، اپنے مال سے، اپنی اولاد سے، اور اپنے والدین سے عزیز سمجھتا ہو (سورۂ احزاب رکوع اول) چونکہ یہ کتاب علم الدین عاشق رسولؐ کے حالات پر مشتمل ہے۔ اس لئے ساتھ ہی اُس سے سابق چند اور فدائیان محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر ناموزون نہ ہوگا ؛

محبّت کے صلہ میں جنّت

کتب احادیث میں و سیر میں مروی ہے کہ ایک شخص نے جسے حضورؐ کی ذات قدسی صفات سے بے انتہا محبّت تھی۔ ایک دن حضورؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور کی محبت کے سوا میرے اعمال میں کوئی ایسا عمل نہیں جسے میں اپنا ذریعۂ نجات سمجھوں۔ حضورؐ نے ازراہِ عنایت شفقت فرمایا :۔ اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ۔ تم اُسی کے ساتھ رہو گے جس سے تمہیں محبت ہے ؛

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک عاشق زار ثوبان نامی روز بروز کمزور اور نحیف ہو رہا تھا۔ حضور نے ایک دن اس سے اس کی نقاہت و نحافت کا سبب پوچھا۔ اس نے عرض کیا کہ مجھے حضور سے جو محبت بے پایاں ہے۔ اس کا تقاضا ہے کہ میں ہر وقت حضور کی خدمت میں حاضر رہوں اور حضور کے جمالِ جہاں آرا سے روشنی دل و دیدہ کا سامان بہم پہنچاتا رہوں۔ دنیا میں تو مجھے یہ نعمت حاصل ہے۔ لیکن مجھے یہ فکر ہر وقت ہلکان کئے دیتی ہے کہ آیا اس حیات مستعار کے بعد بھی جب حضور اعلےٰ علیین میں مدارجِ عالیہ پر فائز ہوں گے۔ مجھے یہ سعادت نصیب ہو سکے گی یا نہ۔ حضورؐ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ تم اُس عالم میں بھی میرے ساتھ ہو گے اور وحی الٰہی نے ذیل کے الفاظ میں اس بشارت پر مہر تصدیق ثبت کر دی اولٰئک الَّذِینَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِنَ النَّبِیِّیْنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَاءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰئِکَ رَفِیْقًا +

صدیقؓ و علیؓ کی جانثاری

کفارِ مکہ حضور سرورِ کونین صلے اللہ علیہ وسلم کے درپئے آزار ہیں اور چاہتے ہیں۔ کہ حضور کو قتل کر دیں۔ حضورؐ ہجرت کا ارادہ فرماتے ہیں۔ کفار لمحہ لمحہ کی خبر رکھتے ہیں۔ لہٰذا یہ خیال دامنگیر ہے کہ اگر کفار نے حضور کا بستر خالی پایا تو وہ فوراً حضور کی تلاش میں نکل کھڑے ہوں گے۔ اس لئے ضروری ہے کہ حضور کا کوئی فدائی حضور کے بستر پر سو جائے تاکہ کفار یہی سمجھیں کہ حضور بستر پر استراحت فرما رہے ہیں۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ جو شخص حضور کے بستر پر سوئے گا اُس کے لئے حقیقتِ حال کھل جانے کے بعد کفار سے جان چھڑانا مشکل ہو گا۔ اس نتیجہ کے علم کے باوجود حضرت علیؓ مرتضےٰ کرم اللہ وجہہٗ عواقب سے بے نیاز ہو کر کمال دلجمعی کے ساتھ حضور کے بستر پر لیٹ جاتے ہیں۔ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم اپنے دوسرے فدائی حضرت ابوبکر

صدیق رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر مکہ سے نکل جاتے ہیں۔

حضرت طلحہؓ کی فداکاری حضور جنگِ احد میں صفوں کے درمیان کھڑے ہیں۔ معرکۂ جدال وقتال گرم ہے۔ تیروں کی بارش ہو رہی ہے۔ اس حالت میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ آگے بڑھتے ہیں۔ اور اپنے دونوں ہاتھوں کو حضورؐ کے سرِ انور اور روئے مبارک کی سپر بنا دیتے ہیں۔ ستر تیر آپ کے ہاتھوں میں پیوست ہوتے ہیں۔ لیکن خمستانِ عشقِ رسول کا یہ جرعہ کش اپنی جگہ سے ایک انچ آگے پیچھے نہیں ہوتا۔

بے ادب بیوی کا قتل حضورؐ کے ایک صحابی نابینا تھے۔ اُن کی بیوی قومِ یہود میں سے تھی جس کی نسبت خدا تعالےٰ کا ارشاد ہے لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ (ترجمہ) یہود مسلمانوں کے بدترین دشمن ہیں۔

یہ یہودیہ اپنی اس فطرت کا مظاہرہ وقتاً فوقتاً اپنے شوہر کی غیبت میں کرتی رہتی تھی جس کا ذکر اس آیہ کریمہ میں ہوا۔ ایک دن شوہر ذرا دیر سے گھر پہنچا، بیوی نے سبب پوچھا، اس نے کہا کہ میں حضورؐ کی خدمت میں بیٹھا تھا۔ بیوی پہلے ہی بھری بیٹھی تھی۔ حضور کی شان میں کوئی گستاخانہ کلمہ اس کی زبان سے نکل گیا۔ شوہر جو عاشقِ رسول تھا اُن کلمات کے سننے کی تاب نہ لاسکا۔ اُس نے بیوی کو پکڑا خنجر میان سے نکالا۔ عقلِ مصلحت کوش نے کہا کہ بیوی کے مرجانے سے تمہاری تمام راحت سلب ہو جائے گی۔ کم سن بچوں کا کوئی نگراں نہ رہے گا۔ عشقِ جنوں خیز مصلحت پر غالب آیا اور چند لمحوں میں گستاخ یہودیہ خاک و خون میں تڑپتی نظر آئی اگلے ہی دن یہودیوں نے حضور سرکارِ دو عالم کے دربار میں استغاثہ دائر کیا۔ شوہر نے تمام واقعہ بے کم و کاست بیان کر دیا اور کہا کہ مقتولہ نے میرے نازک ترین

جذبات کو مشتعل کیا اور میں نے اسی حالتِ اشتعال میں اُسے قتل کر دیا۔ سنجیدہ طبقہ کے یہودیوں نے تمام واقعہ سُن کر قاتل کو بے گناہ ٹھیرایا اور یہ قرار دیا۔ کہ اگر کوئی شخص کسی کے ہادی و پیشوا کے حق میں گستاخی کر کے اُس کے مذہبی جذبات کو ٹھیس لگائے اور وہ شخص اُسے قتل کر دے تو وہ گستاخ انسان خود اپنے قتل کا ذمہ دار ہے۔

یہودی دشمن کی ہلاکت

کعب بن اشرف یہودی جسے قرآن میں اَلَدُّ الْخِصَام کہا گیا ہے۔ حضور خواجۂ دوعالم کا بدترین دشمن تھا۔ یہ شخص قریش مکہ کو حضور کے قتل پر تحریص دلاتا تھا۔ اور اِن کی ہر طرح مدد کرتا تھا۔ جب اس کی اس خباثت کا چرچا ہونے لگا تو حضور کے غلاموں میں سے ایک شخص مسلمہ نامی نے مشتعل ہو کر اُسے قتل کر دیا۔ مقدمہ حضور کے سامنے پیش ہوا۔ محمد بن مسلمہ نے اعترافِ جرم کیا اور اِن تمام اشتعال انگیز کارروائیوں کو تفصیل بیان کیا جو کعب بن اشرف کی طرف سے عمل میں آئی تھیں۔ ذمہ دار یہود نے جب واقعہ سُنا تو اُنہوں نے مقتول کی حمایت کرنے کے بجائے اُس کے افعال پر نفرین بھیجی جو اُس کے قتل کا موجب ہوئے تھے اور قاتل کو اُس کے والہانہ عقیدت کی وجہ سے مجنون کہنے پر اکتفا کی۔

حضور کے کسی صحابی نے ایک ایسے مجمع میں جہاں دوسرے مذاہب کے پیرو بھی موجود تھے جذبۂ عشق و محبت سے بے اختیار ہو کر کہہ دیا کہ حضور تمام انبیاء سے افضل ہیں۔ اس کے جواب میں ایک یہودی نے کہا کہ حضرت موسےٰ افضل الرسل ہیں۔ صحابی مشتعل ہوا اور اُس نے یہودی کے مُنہ پر ایک تھپڑ دے مارا۔ وہ بر سبیل تظلم حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضورؐ نے صحابی کو بُلا کر چشم نمائی کی اور فرمایا لاتفضلونی بین الانبیاء حضور کے اس ارشاد کا

مطلب یہ تھا کہ جہاں دوسرے مذاہب کے لوگ موجود ہوں وہاں میری مدح و ثنا ایسے الفاظ میں نہ کرو جس سے اُن کے جذبات مشتعل ہوں۔

اس آخری واقعہ سے اس رواداری اور مسالمت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ جس کی تعلیم حضورؐ نے اپنے حلقہ بگوشوں کو دی ہے۔ اور جس پر اُمت مسلمہ کا ہمیشہ عمل رہا ہے۔ (زمیندار)

ایک عاشقِ رسولؐ کی آرزو

ز مہجوری برآمد جانِ عالم
ترحّم یا نبی اللہ ترحّم

نہ آخر رحمۃٌ للعالمینی
ز محروماں چرا فارغ نشینی

ز خاک اے لالۂ سیراب برخیز
چو نرگس خواب چند از خواب برخیز

بروں آور سر از بُردِ یمانی
کہ روئے تُست صبحِ زندگانی

شبِ اندوہِ ما را روز گرداں
ز رویت روزِ ما فیروز گرداں

بجانے کردہ دیدہ فرشِ راہ اند
چو فرشِ اقبالِ پابوسِ تو خواہند

ز حجرہ پائے در صحنِ حرم نہ
بفرقِ خاکِ رہ بوساں قدم نہ

بدہ دستے ز پا افتادگاں را
بکن دلداریِ دلدادگاں را

اگرچہ غرقِ دریائے گناہیم
فتادہ خشک لب بر خاکِ راہیم

تو ابرِ رحمتی آں بہ کہ گاہے
کنی بر حالِ لب خشکاں نگاہے

دلے دہ شمع افروزِ محبّت
فگن در سینہ ام سوزِ محبّت

دلے دہ در طریقِ عشق پویاں۔
چو علم الدین دیدارِ تو جویاں۔

بنا کردند خوش رسمے بخون و خاک غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

علم الدین شہید!

چودہویں صدی کے عاشقِ رسول کے حالات

علم الدین کا آبائی مکان

لاہور اسٹیشن سے اتر کر دہلی دروازہ کے اندر داخل ہو جائیے۔ سیدھے چلے آئیے۔ سامنے نواب وزیر خان مرحوم کی نہایت خوبصورت مسجد ملے گی، جو شاہنشاہِ غازی شاہجہان کے عہد میں یعنی علم الدین کی شہادت سے تین سو چار سال پہلے ۱۰۴۴ھ میں بنی تھی اور علم الدین کے نام کی طرح ابھی تک پوری آب و تاب سے قائم و درخشندہ ہے۔ قبلہ کی سمت سیدھے چلے جائیے کشمیری بازار کے شروع ہی میں بائیں طرف ایک بازار ملے گا جسے بازار تیر ابیاں کہتے ہیں۔ اس میں چلتے چلتے سریاں والا بازار آجائے گا۔ جس کا فارسی نام بازارِ سرفروشاں ہے۔ آجتک تو یہ نام ٹرہ و گوسفند (بھیڑ بکریوں) کی سرفروشی کی وجہ سے مشہور تھا مگر اب علم الدین کی سرفروشی نے اسے انسانوں کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ یہ بازار شرقاً غرباً ہے۔ اس کے مشرقی کنارے پر ایک کوچہ تکیہ سادھواں کی طرف نکلتا ہے۔ مسجد سادھواں کے مغرب کی طرف گنجِ شہیداں ہے۔ مسجد میں پیر غفار شاہ صاحب مرحوم و مغفور کا مزار قابل زیارت ہے۔ مشہور ہے کہ اسی تکیہ سادھواں کے مدرسہ ابتدائی میں علم الدین شہید نے کچھ عرصہ تعلیم پائی تھی۔ مگر شہید کے والد اس کی تصدیق نہیں کرتے۔ بلکہ کہتے ہیں کہ پہلے علم الدین کو محلہ کی مسجد کیا

داخل کیا مگر وہ کچھ نہ پڑھا۔ پھر بازار نوہریاں اندرونِ اکبری دروازہ میں بابا کالو کے پاس بٹھایا مگر کچھ پڑھ نہ سکا۔ بازار سرفروشان کے مغربی کنارے پر شمالی جانب شہید موصوف کا موجودہ مکان ہے۔ (جہاں وہ پیدا ہوا تھا۔ وہ مکان سامنے جنوب کی طرف ہے) ؎

این مکانے است کہ سرمنزلِ جاناں بودست
جائے آمد شدِ آں سروِ خراماں بودست

یہی وہ مکان ہے جس میں وہ ۶ اپریل ۱۹۲۹ء تک رہا اور پھر بجرمِ عشقِ محمد صلے اللہ علیہ وسلم پکڑا گیا اور شہادت پاکر اس گھر کا، محلہ کا نہیں بلکہ شہر بھر کا نام روشن کر گیا ؎

یا رسول اللہ کہہ کر گھر سے نکلا جب جواں
تن سے باہر یوں کے نکلی روح لرزاں و تپاں

نکتہ } ایک اخبار نے لکھا تھا کہ علم الدین صوم وصلوٰۃ اور اخلاق مروّت میں یگانہ تھا۔ میں کہتا ہوں کہ اگر وہ ایسا نہ بھی ہو تو بھی دل میں محبت رسول اور غیرتِ دینی کا جذبہ موجزن ہو سکتا ہے کیونکہ یہ وصف صرف نماز و روزہ کے پابندوں ہی میں موجود ہونا ضروری نہیں بلکہ تجربہ ہے کہ جو لوگ ظاہری اعمال میں سست واقع ہوئے ہوں وہ حمیّت وغیرت کے مواقع پر زیادہ چستی کا اظہار کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ اس میں کفارہ گناہ سمجھتے ہیں۔ شیرانوالہ دروازہ کی مسجد سے ڈاڑھی منڈوں اور گنہگاروں کی نعت خوانی کے خلاف آواز بلند ہوئی تھی علم الدین نے ثابت کر دیا ہے کہ محبت رسول کا مقام عابدوں اور زاہدوں ہی کا دل نہیں بلکہ جس پر رحمتہ اللعالمین کی نظرِ کرم ہو جائے۔

اس بیان کی تصدیق میں صحیح بخاری کی ایک روایت نقل کرنی مناسب معلوم

ہوتی ہے جو شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے لعنت کے خلاف فتوے دیتے ہوئے لکھی ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک شخص شراب پیتا تھا اور بار بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پکڑا آتا تھا۔ یہاں تک کہ جب کئی دفعہ آچکا تو ایک شخص نے کہا۔ اس پر خدا کی لعنت۔ بار بار پکڑا جاتا ہے۔ اور باز نہیں آتا۔ حضور علیہ السلام نے سُنا تو فرمایا "خبردار! اسے لعنت نہ کرو کیونکہ یہ اللہ اور اُسکے رسول سے محبت رکھتا ہے"۔

اس سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت کچھ ایسی نعمت ہے جو اہل دل کے قلوب میں مقام کرتی ہے۔ اور ظاہرداری کو نہیں پوچھتی۔ مولینا روم فرماتے ہیں ؎

من زصاحبدل کنم در تو نظر — نے بنقش سجدہ و ایثار زر
تو دل خود را چو دل پنداشتی — جستجوئے اہل دل بگذاشتی
اینچنین دل ریزہ ہا را دل مگو — سبزوار اندر ابوبکرؓ مجو

علم دین کی نعش کو لاہور لانے کے لئے جن نوجوانوں (قیصر و حیرت وغیرہ) نے کوشش کر کے مسلمانوں کی لاج رکھ لی وہ بھی عابد و زاہد تو نہ تھے۔ مگر صاحبِ دل ضرور تھے۔

علم الدین کی غیر معروف ننّت حیات

میاں علم الدین کے والد ماجد کا اسم گرامی مستری طالعمند ہے۔ یہ کوچہ چابک سواراں متصل بازار سریاں والا میں مقیم ہیں۔ غریب آدمی ہیں۔ مگر

خاندان شریف اور پرانا ہے۔ ان کے اجداد میں سے بھائی لہنا سنگھ بعہدِ شاہنشاہِ جہانگیر مشرف باسلام ہوئے جن کا مزار بنام بابا لھنو موضع بھڈانہ میں مشہور ہے۔ بابا کے ایک بیٹے کی اولاد بھی وہیں ہے۔ دوسرے بیٹے برخوردار سے والدِ شہید یوں ملتے ہیں:۔ طالعمند ولد عبدالرحیم ولد جواّیا ولد برخوردار ولد دُلاّ (عبداللہ) ولد عیسیٰ ولد برخوردار۔ گویا علم الدین سات پُشت کے واسطہ سے بابا سے نومسلم سے ملتے ہیں۔

علم الدین کی برادری کا پیشہ نجاری ہے۔ کچھ لوگ اسی محلہ (سرفروشان) میں رہتے ہیں اور کچھ نجاری محلہ میں۔

۸ ذی قعدہ ۱۳۲۶ھ مطابق ۴ دسمبر ۱۹۰۸ء کو بروز جمعرات علم الدین لاہور میں پیدا ہوئے۔

یہ اسی سال کا اخیر تھا۔ جس میں بوجہ گرانی ہر چیز چوگنی قیمت پر بکنے لگی تھی۔ جس میں مرزا صاحب قادیانی چل بسے تھے۔ غازی سلطان عبدالحمید نے ترکوں کو پارلیمنٹری حکومت عطا کی تھی۔ مدینہ منورہ میں حجاز ریلوے کا اجراء ہوا تھا۔ ایران میں شاہ و رعایا کے مابین جنگ ہو تی رہی تھی۔ افغانستان میں بادشاہ حبیب اللہ نے سلسلۂ تعلیم جاری کیا تھا۔ مراکش میں فرانسیسیوں کو نیچا دیکھنا پڑا تھا۔ بنگالیوں نے بم بازی سے نقصانِ جان کرنے و دہشت پھیلانے کی ابتدا کی تھی اور تلک کی گرفتاری عمل میں آئی تھی +

علم الدین کی ولادت سے قبل طالعمند کے ہاں ایک اور لڑکا بھی موجود تھا جس کا نام محمد دین ہے۔ ان دونوں کی صرف ایک بہن ہے۔ محمد دین ریلوے کارخانہ میں ملازم ہے۔ میاں علم الدین کچھ عرصہ کے لئے سکول بھیجے گئے تھے۔ مگر پھر ان کو وہاں سے علیحدہ ہونا پڑا۔ آپ نے مستری

نظام الدین صاحب سے جو بھاٹی دروازہ کے اندر رہا کرتے تھے آبائی پیشہ سیکھنا شروع کیا۔ اور اس میں خوب ترقی کی۔ جوان ہو کر یہ انبالہ، کوہاٹ اور دوسرے دور دراز مقامات پر کام کرتے رہے۔ ان کے باپ کو اعلیٰحضرت حضور نظام نے سند حسن کارکردگی دی ہوئی ہے۔ اسلیئے کہ دربار دہلی میں طالعمند نے حضور نظام کی کوٹھی بنائی تھی۔ علم الدین بھی اپنے باپ کی طرح بہت ہشیار تھے۔

یکم جنوری ۱۹۲۸ء کو ان کے والد انہیں کوہاٹ لے گئے۔ ۱۹۲۹ء میں واپس آئے۔ ۲۸ مارچ کو ان کی سگائی ان کے ماموں کی بیٹی سے ہوئی۔ اس کے بعد یہ مراجعت کوہاٹ کا عزم کر چکے تھے کہ ۶ اپریل ۱۹۲۹ء کو ہسپتال روڈ پر قتل راجپال کے الزام میں گرفتار ہوئے۔

راجپال کا اصلی قاتل

راجپال کا قاتل علم الدین ہی ہے۔ لیکن اگر واقعات پر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے تو برادران وطن کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ راجپال کا اصلی قاتل اس کتاب کا مصنف ہے جس کی اشاعت سے سات کروڑ مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو سخت صدمہ پہنچا۔ اور انہوں نے حکومت سے درخواست کی کہ اس کتاب کے لکھنے اور شائع کرنے والے پر مقدمہ دائر کیا جائے۔ چنانچہ پنجاب گورنمنٹ کی طرف سے راجپال پر مقدمہ چلایا گیا۔ اس مقدمہ کا جو نتیجہ نکلا وہ مسلمانوں کے نزدیک کوئی زیادہ قابل اطمینان نہ تھا

اگر کتاب مذکور کا مصنف اخلاقی جرأت سے کام لے کر اپنے جرم کو قبول کر لیتا اور اس کی پاداش میں اسے قید اور جرمانہ کی سزا ہو جاتی تو ہم وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ راجپال کا قتل کبھی ظہور میں نہ آتا۔ اس میں شک نہیں کہ انسان کی جان بڑی قیمتی ہوتی ہے۔ اور اس کے ضائع کرنے والے کو قانون کی انتہائی سزا برداشت کرنی پڑتی ہے۔ لیکن جو شخص زبان یا قلم کی نوک سے اپنے لاکھوں

ہم جنسوں کے جذبات کو مجروح یا قتل کرتا ہے وہ بھی قاتل ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ سوسائٹی نے ایسے قاتلوں کے لئے جو سزا تجویز کر رکھی ہے۔ وہ اس جرم کے سدِ باب کیلئے ناکام ثابت ہوئی ہے۔ اگر سوسائٹی جذبات کے قتل کو ایک سنگین جرم قرار دے اور لوگ اپنی تحریر اور تقریر میں اس امر کا خاص طور پر خیال رکھیں کہ اس سے دوسروں کی دلآزاری نہ ہو تو دنیا میں بہت سے فتنوں اور ہنگاموں کا خود بخود ندارک ہو جائے۔ اگر ہندو مسلمان دونوں ایک دوسرے کے جذبات کا احترام کرنا انسانی فرض سمجھیں اور یہ عہد کرلیں کہ وہ کسی ناجائز فعل کے ارتکاب سے ایک دوسرے کا دل نہیں دکھائینگے۔ تو ہندوستان کی مشکلات دیکھتے دیکھتے خاتمہ ہو سکتا ہے۔

(سیاست)

غازی علم الدین کی تصویر

نازکر اپنے مقدر پر شہیدِ راہِ عشق
خاکیانِ ہند سے اتنا ہی بالا تر ہے تو
تیری جانبازی سے زندہ ہو گیا دینِ بلالؓ
زندہ ہیں کاغذ کی دنیا میں سلاطینِ جہاں
آشنا ہے بچہ بچہ قیس اور فرہاد سے
تجھ کو دی عشقِ محمدؐ نے حیاتِ سرمدی
پھول برساتی ہے تجھ پر رحمتِ پروردگار
پوچھتے ہیں آج جبرئیلِ امیں بھی بار بار

آج تو آرائشِ بزمِ جہاں نور ہے
جس قدر اس روئے زخِ صغریٰ سے جنت دور ہے
اے فدائے مصطفےٰ! تو رشکِ صد منصورؒ ہے
تذکروں میں بند ذکرِ قیصر و فغفور ہے
نام ہفت اقلیم میں عشاق کا مشہور ہے
گو کہ تیری موت کیسوں کے لئے ناسُو ہے
ہے نہیں اس میں ذرا بھی شک کہ تو مغفور ہے
مصطفےٰ کی گود میں کس کا سر رنجور ہے

دولت آزادی کی بخشی علم دین کو عشق نے
عقل کے ہاتھوں ہم صوؔ ادا بھی مجبور ہے

علم الدین کی زندگی کا دوسرا دور

علم الدین کی سوا بیس برس کی زندگی عام لوگوں کی طرح بسر ہوئی۔ اور اس عمر تک وہ کسی شمار میں نہ تھا۔ جیسے عام اشخاص پیٹ کے دھندے میں ادھر اُدھر بھٹکتے پھرتے ہیں وہ بھی بھٹکتا پھرا۔ اِس کی حیات کا دوسرا دور جس سے وہ عروج و شہرت کے آسمان پر آفتاب بن کر چمکا، ۶ اپریل ۱۹۲۹ء سے شروع ہوا۔ یہی وہ یوم شنبہ ہے جب کہ وہ ایک ایسی کتاب کے شایع کرنے والے کے قتل کے جرم میں پکڑا گیا جس نے مسلمانوں کے دلوں کو بہت بُری طرح مجروح کیا تھا۔ اس کتاب کا نام بھی بہت دل آزار رکھا گیا تھا۔ کہتے ہیں، اس کا لکھنے والا اور تھا۔ جس کو اظہار نام کی جرأت نہ ہوئی۔ راجپال نے اِسے لے کر شایع کر دیا۔ لہٰذا وہی نظروں سے کیا دلوں سے گر گیا۔

دِل آزار کتاب

ایک شخص[1] کے دل میں جذبات نفرت پیدا ہوئے۔ اُس نے اوچھا سا وار کیا کہ شاید کتاب کا ناشر سمجھ جائے۔ مگر جب کچھ اثر نہ ہوا تو پھر ایک اور مرد[2] کی رگِ حمیت میں جنبش پیدا ہوئی۔ اُس کا ہاتھ بھی بے قابو ہو کر راجپال پر پڑا۔ مگر اُچٹتا سا۔ کاش وہ اس سے عبرت حاصل کرتا اور اعلان کر دیتا کہ میں نے غلطی سے کتاب چھاپی تھی۔ اب میں اظہارِ ندامت کرتا ہوں۔ مگر جب تقدیر آتی ہے کچھ سجھائی نہیں دیتا۔ وہ اپنی ضد پر اڑا رہا۔ اس سے غیرتِ الٰہی جوش میں آئی اور اُس نے بازارِ سرفروشان کے ایک معمولی لڑکے کو جو نجاری سے پختہ کار اور

[1] ان کا غالباً عبدالعزیز اور [2] خدا بخش ہے جو سات اور چودہ سال کی قید بھگت رہے ہیں۔

جس کا ہاتھ نظر ٹکنے کے مقام پر ضرب لگانے میں مشّاق تھا۔ کام کرنے کے لئے
چُن لیا۔ وہ ایک معمولی سی نوک شکستہ چھری لے کر بڑھا۔ راجپال دوکان میں بیٹھا
تھا۔ اُس کے دو ملازم بھی پاس تھے (جیساکہ شہادتِ استغاثہ سے ظاہر ہے)
مگر کسی کو روکنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اور وہ اسے اُس کے دل میں ایک دفعہ گھونپ
کر اور بڑے اطمینان سے میز پر رکھ کر نکل آیا۔ (ایک نے کہا کہ اس کی تاریخ خنجرِ
حق سینۂ باطل دریدہ ہے۔ میں نے کہا۔ یہ ٹھیک نہیں کیونکہ اس میں دو کی کمی ہے
اور یوں بھی ہمیں کوئی ایسا کلمہ نہیں کہنا چاہیئے۔ جس سے کوئی بُرا منائے۔ جس
نے کیا خمیازہ اُٹھالیا۔ اب ایسی باتوں سے کیا فائدہ) اس کے نکل جانے کے

راجپال کا قتل

بعد نوکروں کے حواس درست ہوئے۔ اور بھرّائی ہوئی
آواز سے بولے کہ مہاشہ جی قتل ہو گئے۔ اب لوگ اِدھر
اُدھر سے بھاگے اور علم الدین کو پکڑ لائے۔ کہتے ہیں اس کے چہرے کا رنگ زرد
تھا مگر جب اِسے مقتول کے پاس لائے اور اس نے اُس کی زردروئی ملاحظہ کی
تو سُرخرُو ہو گیا اور بولا کہ میں نے اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کا بدلہ
لے لیا۔ کہتے ہیں۔ اُس کا رنگ اس اندیشہ سے زرد ہو رہا تھا کہ میں بھی پہلوں کی
طرح ناکام ہی نہ رہا ہوں مگر جب اُس نے اپنی محنت ٹھکانے لگی دیکھی تو ہشّاش
بشّاش ہو گیا۔ واللہ اعلم بالصّواب۔ ہمیں اس کا عینی مشاہدہ نہیں مگر علم الدین کا
اخیر دم تک خوش وخرم رہنا ثابت کرتا ہے کہ یہ روایت درست ہوگی ۔

چالان

ملزم کا مسٹر لوئیس صاحب اڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی عدالت میں
چالان ہوا معمولی سماعت کے بعد علم الدین بتاریخ ۱۱ اپریل سیشن
سپرد کر دیا گیا۔ مسٹر سلیم نے چھ سو روپیہ فیس کا خوب حق ادا کیا اور کہا کہ شہادتوں سے
مقدمہ ثابت نہیں۔

مسٹر سلیم کے دلائل

استغاثہ کی شہادت ہے کہ قاتل جب دوکان میں آیا۔ دو آدمی موجود تھے (جو واقعہ کے عینی شاہد ہیں) اُن کے سامنے اس نے حملہ کیا۔ مقتول نے حملہ روکا۔ جس کی وجہ سے اس کے ہاتھوں میں زخم بھی آئے۔ آخر کئی ضربوں کے بعد وہ اسے مار گرانے میں کامیاب ہو گیا اور کام کر کے بھاگ نکلا مگر تعاقب کر کے اسے گرفتار کر لیا گیا۔ سوال یہ ہے کہ یہ لوگ اثنائے قتل میں کیوں نہ بولے اور کیوں نہ انہوں نے شور و غوغا بلند کیا تاکہ قاتل موقع پر پکڑا جاتا۔ پھر جو چھری پکڑی گئی ہے۔ اُس کا سِرا ٹوٹا ہوُا ہے اس سے آدمی قتل نہیں ہو سکتا۔ اصل بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب قاتل آیا راجپال دوکان میں بیٹھا تھا۔ وہ بڑے اطمینان سے اس کا کام تمام کر کے ہوا ہو گیا۔ ملازموں نے آکر جو دوکاندار کو مقتول پایا تو چلاتے ہوئے دوڑے اور ایک مسلمان کو پکڑ کر قاتل بتا دیا حالانکہ اگر یہ قاتل ہوتا تو یہ بھاگ کر انارکلی کے پُر رونق بازار میں شامل انبوہ کثیر ہو کر بچ نکلتا۔ نہ یہ کہ غیر آباد طرف جا کر پکڑا جاتا۔ جس دوکاندار سے چھری خریدنا بیان کیا جاتا ہے۔ وہ کمزور نظر آدمی ہے۔ اُسے کس طرح یاد رہ سکتا ہے کہ فلاں شکل و صورت کا ایک آدمی آیا تھا جو چھری خرید کر لے گیا۔ مقدمہ بالکل ثابت نہیں لہٰذا جج صاحب کو چاہیئے کہ ملزم کو بری کر دے وغیرہ وغیرہ۔ مگر ٹیپ صاحب سشن جج نے ۲۲ مئی کو سزائے

موت کی سزا

موت کا حکم سُنا دیا۔ اس حُکم کے خلاف ہائی کورٹ میں اپیل دائر کی گئی جو ۱۵ جولائی کو مسٹر جسٹس سر براڈوے و مسٹر جسٹس جانسن جج صاحبان کے سامنے پیش ہوئی۔ ملزم کی وکالت کیلئے مسٹر محمد علی جناح بمبئی والے ہزاروں روپیہ لے کر بمشکل آئے۔ لوگ توقع رکھتے تھے کہ آپ خوب دادِ وکالت دیں گے اور ایسے ایسے قانونی نکات کے دفتر کھول کر ججوں

کے آگے رکھ دیں گے کہ جج صاحبان کو حکم رؤیت دینے کے سوا اور کوئی چارہ ہی نہ رہے گا مگر آپ نے کوئی نئی بات نہ نکالی اور وہی باتیں دُہرا دیں جو مسٹر سلیم سیشن میں بیان کر چکے تھے اور جن کو ٹیپ صاحب نے قبول نہ کیا تھا۔ نتیجہ یہ نکلا۔ کہ اپیل خارج کر دیا گیا اور جناح صاحب غریب مسلمانوں کا بڑی محنت سے کمایا ہوا

مسٹر جناح کی کارگزاری

روپیہ لے کر واپس تشریف لے گئے مسلمانوں کو افسوس رہا کہ اگر مقدمہ میں جان نہ تھی تو آپ نے مقدمہ کیوں لیا؟ اگر واقعی مقدمہ کمزور تھا تو اس کی کمزوریوں کو کیوں دھڑلے سے طشت از بام نہ کیا۔ اور جب معلوم ہو گیا تھا کہ جج صاحبان حکم موت بحال رکھیں گے تو مناسب یہی تھا کہ ہوٹل اور سفر کا خرچ لے کر باقی فیس نہ لی جاتی مگر افسوس آپ نے نادار قوم کو باظہارِ ایثار تشکر یہ کا موقع نہ دیا۔ علم الدین جیسے جان بازوں کے کام ہر روز نہیں کرنے پڑتے اور لاکھوں میں سے کسی کی قسمت ہوتے ہیں۔ روپیہ تو ایک ڈھلتی چھاؤں ہے۔ آج ہے اور کل نہیں نام کام سے، ایثار سے اور اخلاص سے ہوتا ہے۔ زر اندوزی سے نہیں۔ کاش ہمارے لیڈروں میں ایثار کا مادّہ پیدا ہو!

الغرض جناح صاحب تو بمبئی کو سدھارے اور عاشقانِ علم الدین نے سوچا کہ مرافعہ کا ابھی ایک مرحلہ باقی ہے اسے بھی طے کر لینا چاہیئے۔ چنانچہ

پریوی کونسل میں اپیل

لندن کی پریوی کونسل میں اپیل دائر کرنے کا انتظام ہو گیا۔ مگر پورے تین ماہ بعد نتیجہ مایوسی کے سوائے کچھ نہ نکلا یعنی ۱۵ اکتوبر کو اپیل خارج کر دیا گیا۔

لیڈرانِ دانشمند نے مشورہ دیا کہ اگر علم الدّین کو لاہور میں جامِ شہادت پلایا گیا تو فساد ہو جائے گا۔ اس لئے عاشقِ رسول صلے اللہ علیہ وسلم کو بتاریخ

غازی علم الدین لاہور سے میانوالی جیل میں

۳ / اکتوبر ۱۹۲۹ء
۹½ بجے رات

لاری پر بیٹھا کر گوجرانوالہ پہنچایا گیا - اور وہاں سے ۱۲½ بجے ریل گاڑی پر میانوالی کو روانہ کیا گیا - وہاں گاڑی ۲½ بجے جمعہ کو پہنچی - علم الدین فسٹ کلاس کے ڈبے میں تھا - ساتھ ۳ سپاہی، ۲ ہیڈ سارجنٹ اور ایک چھوٹے کپتان صاحب تھے علم الدین جہاں بھی رہتا خوش تھا - اسے خواجۂ دو جہان علیہ الصلواۃ والسلام کا قرب روحانی حاصل ہو چکا تھا - وصل محبوب کی خوشی سے اُس کے چہرے پر نُور اور رونق آگئی تھی - اسے مرنے کا ذرہ برابر غم نہ تھا - اس کا وزن کئی پونڈ بڑھ گیا تھا - اس کے اعزہ واقرباء نے جب تعجب سے اُس سے اِس کے متعلق سوال کیا تو اُس نے کہا - کہ مجھے پھانسی کی کوٹھڑی میں اکیلا نہ سمجھو مجھے حبیب کبریا علیہ افضل التحیۃ کی معیت حاصل ہو چکی ہے - چنانچہ کہتے ہیں کہ جیل والوں نے کئی دفعہ اس کے کمرے میں چاندنا ہوتا مشاہدہ کیا - اسی وجہ سے تمام قیدی اس کے پاؤں کے نیچے آنکھیں بچھاتے تھے -

محمدؐ کو میری آنکھوں سے دیکھو

کسی نے جا کے علم الدین سے پوچھا
تو حکم قتل سن کر بھی ہے ہشاش!

مقام ایسے پہ اب تیرا گزر ہے
جہاں ہوتا ہے شیروں کا جگر پاش

تجھے مرنے کا اپنے کیا نہیں غم؟
کہ آتا ہے نظر ہشاش بشاش

تری اس سرخروئی سے عیاں ہو
کہ دل غم سے ہے خالی اور فرحناک

کہا اُس مردِ غازی نے یہ سُنکر　　سنو اکرتا ہوں میں رازِ دلی فاش

مجھے ہے شوق دیدارِ محمدؐ　　ہو دل کو خوف سے مرنیکے کیوں جاش

میں سنتا ہوں محمدؐ کہہ رہے ہیں　　کہ علم الدین خوش آئی و خوش باش

یہ مژدہ سُن کے سیروں بڑھ گیا خون　　نظر آؤں میں کیوں غمگین و طیاش

محمدؐ کو مری آنکھوں سے دیکھو

پڑے ہو کیوں جہاں میں مثلِ خفاش　　(مؤلف)

طبع شدہ در سیاست ۵ انومبر ۱۹۲۹ء

وَلَہٗ

کسی نے جیل میں جا کر یہ علمدیں سے کہا　　کہ سُن کے موت کا فتوےٰ ابھی تو ملول نہیں!

یہ سُن کے بولا وہ جانباز مردِ غیرت مند　　سمجھ گیا ہوں کہ تُو عاشقِ رسُول نہیں

نبی عزیز نہ ہوں جان و مال سے جس کو　　ہزار دعوئ ایماں کرے قبول نہیں

رسولِ پاک کی حُرمت پہ جان دے دینا　　نہ ہو اصُول جو اپنا تو کچھ حصُول نہیں

یہ حکمِ موت ہے میرے لئے پیامِ حیات

مئے بقا سے ہے لبریز میرا جامِ حیات

مطبوعہ سیاست

علم الدین کا بے نظیر صبر و استقلال

انسان جوش میں آکر ایک کام کر بیٹھتا ہے۔ مگر جب جوش ٹھنڈا ہوتا ہے اور دنیاوی علائق اور عزیز و اقارب کا خیال آتا ہے تو اپنے فعل پر پچھتاتا اور پریشان ہوتا ہے۔ ہم نے کئی قاتلوں کے متعلق سُنا ہے کہ انہوں نے نشہ میں آکر قتل کا ارتکاب تو کر دیا اور کچھ دن بعد بھی اپنے فعل پر اتراتے رہے۔ مگر جب حکم موت سُنا تو غش کھا کر گر پڑے اگر اُس وقت بھی حوصلہ نہ ہارا تو پھانسی پانے والوں کی کوٹھڑی میں جاکر تو ضرور ہوش و حواس کھو بیٹھے۔ اگر کوئی جگر والا انسان اُس کوٹھڑی میں بھی باحوصلہ رہا تو تختۂ دار پر جانے کے وقت تو اِسکے پاؤں ضرور لڑکھڑائے اور وہ زرد رُو ہو کر گر پڑا۔ مگر علم الدین نے اس چھوٹی سی عمر میں جس صبر و استقلال سے کام لیا اس کی مثالیں بہت کم ملیں گی۔ پھانسی کا حکم سنتا ہے اور کچھ پروا نہیں کرتا۔ دل میں رنج و غم کو گھسنے نہیں دیتا بلکہ خوشی اور مسرت سے اُس کا وزن بڑھتا جاتا ہے۔ دو سو آٹھ دن حوالات اور جیلخانہ میں رہتا ہے مگر اس کے پائے استقلال میں ایک لمحہ کے لئے بھی جنبش نہیں آتی۔ بلکہ جو کوئی اس سے ملنے جاتا ہے اس سے یہی کہتا ہے کہ حوصلہ قائم رکھو۔ اگر مجھ سے ملنا چاہتے ہو تو بخندہ پیشانی ملو۔ اگر رونی صورت بنا کر ملو گے تو میں مُنہ موڑ لوں گا۔ اللہ اللہ کس قدر صبر و ضبط ہے۔ رقیق القلب مامتا کی ماری دُکھیا ماں ملنے جاتی ہے۔ تو اِسے بھی یہی کہتا ہے جس سے وہ قدرے شگفتہ دل ہو جاتی ہے۔ یہ بڑے دل گردے کا کام ہے۔

ہاکی عشق در خورِ مردان است ۔۔۔ ناقصاں را کجا سزاوار است

عاشق رسولؐ کا شوقِ قدمبوسی

عاشقِ احمدِ مختار حضرت مولینا قبلہ محمد یار صاحب بہاولپوری

عرس داتا گنج بخش علیہ الرحمتہ کی تقریب پر جو صفر ۱۳۴۸ھ میں لاہور تشریف لائے اور علم الدین کے عشقِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حال سنا تو آپ نے فرمایا کہ دل چاہتا ہے کہ اس پروانۂ شمع رسالت کے دیدار کو جاؤں اور اس کے قدم چوم لوں۔ خوش قسمت ہے علم الدین جو تحفظِ ناموس حبیبِ خدا کے لئے قربان ہوا۔ جن کی شان میں مولینا رومؒ ارشادِ باری تعالیٰ یوں رقم فرماتے ہیں ؎

سیّد و سرور محمد نورِ جاں — مہتر و بہتر شفیعِ مجرماں

بے فروغت روزِ روشن ہم شب است — بے پناہت شیر اسیرِ ارنب است

باش کشتیباں درین بحرِ صفا — کہ تو نوحِ ثانی ای اے مصطفےٰ

خضرِ وقتی غوث ہر کشتی توئی — ہمچو روح اللہ مکن تنہا روی

طاعناں ہمچو سگاں بر بدرِ تو — بانگ می دارند سوئے صدرِ تو

ہر کہ در مکرِ تو دارد دل گرو — گردنش را من زنم تو شاد شو

بر سرِ کوریش کوری ہا نہم — او شکر پندارد و زہرش دہم

یعنی اے میرے کملی والے حبیبؐ! طاعنانِ بدزبان کتوں کی طرح تیرے چاند پر بھونکتے ہیں مگر وہ تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ جو کوئی تیرا بد اندیش ہوگا اُس کی گردن میں ماروں گا۔ جو تیری طرف سے اندھا ہوگا۔ میں اسے اور اندھا کردوں گا۔ اور وہ اس زہر کو شکر سمجھ کر کھائے گا۔ اور مرے گا۔

حاضرین مجلس نے جب کبھی مولینا صاحب موصوف کی خدمت میں علم الدین کی رہائی کے لئے التماس دعا کی۔ آپ نے ہاتھ اُٹھا کر یہی شعر پڑھ دیا ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق — ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

یعنی علم الدین کو عشق نے زندہ جاوید کر دیا ہے۔ وہ نہیں مر سکتا، وہ نہیں مر سکتا ہے

عشق لہر کی ملاقات

پنجابی کے مشہور لاہوری شاعر اُستاد عشق لہر نے علم الدین سے میانوالی جیل میں پھانسی سے ایک روز پیشتر ملاقات کی۔ عاشقِ رسول نے کہا۔ اُستاد! میرا دل تمہیں ملنے کو چاہتا تھا۔ الحمدللہ کہ تم آ ہی گئے۔ استاد نے جواب دیا کہ تمہاری دلی کشش ہی کا اثر ہے کہ بیٹھے بیٹھے دل میں خیال آیا کہ چلو علم الدین کا دیدار کر آئیں۔ چنانچہ فوراً ٹکٹ لے کر ریل گاڑی پر سوار ہو پڑا اور تمہارے پاس پہنچ گیا۔ علم الدین نے کہا کہ میرے حسبِ حال کوئی شعر کہے ہوں تو سناؤ۔ اُستاد نے جواب دیا۔ علم الدین! اگلے روز تم سے تمہاری والدہ ملنے آئی۔ ماںتا کی ماری کے بے اختیار آنسو نکل آئے۔ تم نے کہا کہ خبردار! جس کو مجھ سے رو کر ملنا ہو وہ نہ ملے علم الدین! تم جانتے ہو کہ شاعر کس قدر رقیق القلب ہوتے ہیں۔ اگر شعر سناتے ہوئے میرا دل بے قابو ہو گیا تو تم مجھ سے بھی ناراض ہو گے۔ وہ شیر دل نوجوان بولا۔ اُستاد! دل کو خوب طرح قابو میں رکھ کر سناؤ۔ اگر تم بھی رونے لگے تو میں تم سے بھی منہ پھیر لوں گا۔ میں نے جب اس معاملہ میں اپنی ماں کا لحاظ نہیں کیا۔ تو تمہارا بھی نہیں کر سکتا۔ استاد! میرا دل بالکل مطمئن ہے۔ جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں اگر تم بھی دیکھ لو۔ تو بخدا کبھی غمگین نہ ہو۔

من عاشقِ سرمستم از دار نمی ترسم	پروانۂ جاں بازم از نار نمی ترسم
چوں طالبِ دیدارم از اغیار چہ غم دارم	چوں عاشقِ گلزارم از خار نمی ترسم
با دوست چو مشغولم دشمن چہ کند با من	چوں گنجِ عدم ہستم از مار نمی ترسم
من دارِ بلا کش را چوں تختِ شہی دانم	حلاج دشم عاشق از دار نمی ترسم

(سلطان حاکم رح المتوفی ۱۳۲۰ھ)

ترجمہ

جب عاشقِ سرمست ہوں میں دار سے ڈرتا نہیں + جاں باز پروانہ جو ہوں میں نار سے ڈرتا نہیں
میں طالبِ دیدار ہوں اُس کا نہیں کچھ غم مجھے + جب عاشقِ گلزار ہوں میں خار سے ڈرتا نہیں
نظّارگی ہوں مست کو دشمن کا اندیشہ نہیں + حاصل خزانہ ہو گیا میں مار سے ڈرتا نہیں

پھانسی کا تختہ واسطے میرے ہے اک تختِ شہی
ہاں عشق میں معراج ہوں میں دار سے ڈرتا نہیں

اے استاد میں بڑی بے تابی سے اُس ساعت کا انتظار کر رہا ہوں۔ کہ یہ رشتۂ حیاتِ مستعار ٹوٹے اور جان غمِ ہستیٔ فانی سے چھوٹے۔ تم جانتے ہی ہو کہ یار سے ملنے کے انتظار کی گھڑیاں کیسی مشکل سے کٹتی ہیں ؎

مہینے وصل کے گھڑیوں کی صورت اُڑتے جاتے ہیں
مگر گھڑیاں جدائی کی گزرتی ہیں مہینوں میں

ڈپٹی کمشنر کو جواب

آج صبح ہی میانوالی کے ڈپٹی کمشنر ازمان مہدی خان (ڈپٹی صاحب بڑے نیک دل اور بزرگوں سے عقیدت رکھنے والے انسان ہیں) مجھے آکر ملے اور پوچھنے لگے کہ تمہیں یہاں کچھ تکلیف تو نہیں۔ میں نے جواب دیا۔ صاحب! کیا کہتے ہو۔ مجھے معلوم ہے کہ پریوی کونسل سے اپیل نامنظور ہو گئی ہے۔ انتظار میں کیوں رکھ چھوڑا ہے۔ مجھے جلد واصل بحق کرو تاکہ خدانخواستہ شیطان میرے استقلال میں فرق نہ ڈال دے۔ الحمدللہ کہ وہ ابھی تک میرے ایمان کو متزلزل نہیں کر سکا۔ حبیبِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ عالی میں بار جبھی ملے گا۔ جب روح قیدِ جسم سے آزاد ہو گی۔ پس اس کی رہائی کا جلد انتظام ہونا چاہیئے۔

الغرض اس گفتگو کے بعد اُستاد صاحب بڑے حوصلہ اور ضبط سے علم الدین

کے سامنے یہ شعر پڑھے ؎

علم دین! محمدؐ دے نام اُتوں میاں جان جوانی نوں واریا ای
آفرین غازی! تیرے حوصلے دا راجپال کم..... نوں ماریا ای
جیہڑا اُچکیا بوجھ محبتاں دا چڑھ کے دار تے سروں اُتاریا ای
بیڑا ڈوب کے نبیؐ دے دشمناں دا علم دین توں کُل نوں تاریا ای

وِچ چودھویں صدی دے ہویا روشن تیرا عشق او عاشق حضورؐ دے آ
جھوٹا دار دی پینگ تے جھوٹیا ای شوق نال ساتھی منصور دے آ
سب دی اکھیاں وِچ سما گیا ایں علم دین توں ذرّیا طور دے آ
عشق لہر دی عرض دربار اندر پہلے کریں مسافرا دُور دے آ

یعنی اے علم دین تو نے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے نام پر اپنی جان اور جوانی کو قربان کر دیا ہے۔ اے غازی تو نے راجپال کے مارنے میں جس حوصلے کا ثبوت دیا ہے وہ لائق تحسین و آفرین ہے۔ تو نے حُبِ نبیؐ کی جو ذمہ داری قبول کی تھی اس سے تو سُولی پر چڑھ کر سبکدوش ہو گیا۔ تو نبی صلعم کے دشمنوں کا بیڑا غرق کر کے تمام قوم کو پار لے اُترا۔

اے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عاشق! چودھویں صدی میں تیرا نام روشن ہو گیا۔ اے منصور کے ساتھی تُو نے شوق سے دار کی پینگ کا جھوٹا لیا۔ اے طور کے ذرّے علم الدین! تو سب کا سرمۂ چشم بن گیا۔ جب تو دربارِ محمدی میں حاضر ہو تو عشق لہر کے لئے بھی سفارشِ شفاعت کرنا۔

علم الدین یہ اشعار سُن کر بہت خوش ہُوا اور کہنے لگا۔ اے اُستاد! میں تو شاعر نہیں مگر میں نے یہ شعر موزوں کئے ہیں۔ سُن لو۔ میری درخواست ہے

کہ ان شعروں کا مضمون تم اپنے الفاظ میں ادا کر کے میری طرف سے پیش کر دینا۔ عشق لہر کا بیان ہے کہ میں آدھ گھنٹہ علم الدین سے باتیں کرتا رہا۔ ایک لمحہ کے لئے بھی اُس کے چہرے پر رنج و ملال کے آثار ظاہر نہیں ہوئے۔ اُس کا چہرا خوشی سے چمکتا تھا۔ اُس کی دلی مسرت اور قلبی راحت کا اندازہ اُس کے جسم کے وزن کی زیادتی سے ہو سکتا ہے۔ اگر اِسے کچھ بھی دل میں فکر و غم ہوتا۔ تو گھُل گھُل کر دُبلا پتلا ہو جاتا۔ اُس کا رنگِ رُخ زرد پڑ جاتا مگر بر خلاف اِس کے اُس کا چہرہ شگفتہ اور سُرخ تھا اور اُس کا جسم پہلے سے زیادہ مضبوط اور تنو مند۔

ہم پہلے علم دین کا اصل کلام بغیر کِسی تصرف کے درج کرتے ہیں۔ جنکو علم الدین محبوب ہے اُن کو اُس کے قیدِ قافیہ سے آزاد شعر بھی پیارے معلوم ہونگے۔ دیکھو اپنے بچے کی ٹوٹی پھوٹی باتیں دُوسروں کے مقفیٰ کلام سے زیادہ پیاری لگتی ہیں علم الدین کے شعر:-

ہتھ یار دا لکھ قرآن آیا تاں پھر چُمیا ادب آداب کر کے
شالا ہتھ سڑے مِلے سزا مینوں، ہتھ لایا جے بھیڑی نگاہ کر کے
قسم ہے رب دی دوستا آکھداواں قدمی ڈِگا سائیں دِلربا کر کے
عِلم دین جنانے زبردستی دِتا رتبہ تے اپنی شفا کر کے

دن ہفتے دا ہیں قربان جاواں۔ اللہ بخشی سی ایہ مراد مینوں
قسم رب دی بندہ نہ نال کوئی، مدد دِتی سی اللہ جلال مینوں
خنجر مار یا سی حکم رب دے نال۔ ایہو دِل دے وچ مراد مینوں
علم دین میاں ڈرنا موت تھیں نہیں جھنڈے نبی دے نال ہی پیار مینوں

یعنی میں اُس ہفتہ کے دن کے قربان جس دن میری مراد پوری ہوئی اور میں نے اُسی خدا کے حکم سے جس کے نبی سے مجھے پیار ہے خنجر مار کر دلی آرزو پوری کرلی۔ علم دین میاں موت سے نہیں ڈرنا۔

عَلَم دین کے خیالات کو عِشق لہر نے یوں بیان کیا ہے ؎

سُتّا پیاساں کِسے خیال اندر جاگے بھاگ وصال دی رات آئی
طاقت نہیں ہُن کراں بیان مُونہوں جو جو نظر مینوں کرامات آئی
کِسے پاسیوں نُور دے چڑھے بدل ہُندی رحمتاں دی برسات آئی
وَڈھ کے کِسے بزرگ نے کہیا مینوں تیرے پاس محمّد دی ذات آئی
لوکی کرن توہین توں گھوک سُتوں اُٹھ جاگ لے تیری برات آئی
علم الدین کھُلی اکھ سوچیداں سان اجپال والی یاد بات آئی

پیسے خرچن نوں مِلے نے چھُری لے لئی دِل وِچ لگی اوہدی گھات میاں
دِن ہفتے دا دشمن نوں ماریا جد میرے نال سی بدی ذات میاں
وِہلا ہویا حضُور دا لے بدلا مینوں مِلی پھر میری برات میاں
عِلم دین محبت دی مِلی دولت دِتی جان میں سمجھ زکوٰۃ میاں

ہم نے اُستاد عِشق لہر سے پوچھا کہ کیا عِلم الدین نے بیان کیا تھا کہ اِسے خواب میں کہا گیا کہ راجپال کا قِصہ پاک کر دو۔ جیسا کہ مندرجہ بالا اشعار میں ظاہر کیا گیا ہے۔ اُستاد نے جواب دیا کہ مرحوم نے صریح الفاظ میں تو نہیں بتایا۔ مگر ہاں اس کی باتوں سے اس قسم کا مضمون ضرور مترشح ہوتا تھا۔

حضرت موسےٰ سے ملاقات

۳۰ر اکتوبر کو جب عِلم الدین سے عزیز و احباب مِلنے گئے۔ تو انہیں جیل والوں سے معلوم ہُوا کہ آج عِلم الدین بہت ہی خوش ہے۔ عزیزوں نے جا کر پوچھا تو اُس نے جواب دیا کہ میں نے دُعا مانگی تھی۔ کہ مجھے حضرت موسےٰ علیٰ نبیّنا و علیہ السّلام کا دیدار نصیب ہو۔ چنانچہ وہ مجھے خواب میں ملے اور بولے

کہ علم الدین کیا چاہتے ہو۔ میں نے کہا حضرت! آپ کلیم اللہ ہیں۔ خدا سے دُعا کریں کہ میں نے اپنے والد کے حکم سے جو عدالت میں جبراً جھوٹ بولا ہے۔ کہ میں نے راجپال کو قتل نہیں کیا۔ وہ گناہ معاف کر دے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ نے مجھے خوشخبری دی ہے کہ تیرا گناہ معاف کر دیا گیا ہے۔ میں اس پر خوش ہوں۔

بریں مژدہ گر جاں فشانم رواست ۔ کہ ایں مژدہ آسائش جانِ ماست

عزیزوں کو پانی پلانا

جب علم الدین سے آخری مرتبہ عزیز ملے تو اُس نے ہر ایک کو دو دو گھونٹ پانی پلایا (پانی کا گھڑا اُس کے پاس برآمدے میں پڑا رہتا تھا) اور والدہ سے کہا کہ خوب سیر ہو کر پانی پی لے۔ جب سب آب نوش کر چکے تو پوچھا تمہیں اس سے ٹھنڈک پہنچی ہے کہ نہیں۔ سب نے کہا ہاں پہنچی ہے۔ علم الدین نے کہا جیسا تمہیں اس سے خنکی پہنچی ہے۔ خدا کی قسم میرا کلیجہ بھی ویسا ہی سرد ہے۔ پس جو کوئی مجھ پر روئے گا وہ میرا دشمن ہو گا۔

جیل میں جو کوئی بخار وغیرہ سے بیمار ہوتا علم الدین اسے اپنے ہاتھ سے دو گھونٹ پانی پلا دیتا تو اسے شفا ہو جاتی۔ اِسی وجہ سے سب جیل والے اُس کی عزت کرتے تھے۔

سیال شریف کے پیر صاحب سے ملاقات

سیال شریف کے پیر صاحب بھی جا کر ملے۔ سورہ یوسف پڑھنا شروع کیا۔ علم الدین قرآن نہیں پڑھا تھا۔ مگر لقمہ دیتا رہا اور پھر خود پڑھنے لگا سب سُن کر عش عش کرنے لگے۔ معلوم ہوا کہ عاشقِ رسولِ اُمّی کو علمِ لدُنّی حاصل ہو گیا ہے۔

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
INAYAT HUSSAIN

نواب دین سپاہی کی شہادت

نواب دین سپاہی ساکن بھگواڑہ نے جواب جیل کی نوکری چھوڑ چکا ہے

۳۱ راکتوبر کی صبح کو بیان کیا کہ ہم نے دیکھا کہ رات کو علم دین کمرہ سے گم ہے۔ ہمیں بڑی فکر ہوئی کہ شاید اسے کوئی نکال کر لے گیا ہے۔ ہم ادھر اُدھر تلاش میں مصروف تھے کہ اس کی کوٹھڑی میں سے شعاع نکلتی دکھائی دی۔ جب پاس گئے تو دیکھا کہ علم الدین موجود ہے۔ پاس ایک نورانی صورت سبز پوش بزرگ کھڑے ہیں جو اُس کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہہ رہے ہیں کہ بیٹا حوصلہ رکھنا، گھبرانا نہیں۔ پھر جب ہم علم الدین سے ملے اور پوچھا کہ کہاں تھے تو اُس نے جواب دیا کہ اسی کوٹھڑی کے فلاں کونے میں تھا۔

شمع رسالت کے پروانے میاں علم الدین کی اہم وصیتیں

میانوالی سے میاں علم الدین کا ایک رشتہ دار لاہور آیا اور اُس نے بیان کیا کہ میاں علم الدین صاحب کو جب سب رشتہ دار ملے تو انہوں نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی بھی رو کر مجھے نہ ملے۔ ورنہ اس سے مُنہ موڑ لوں گا۔ میرا بھائی اب اکیلا رہ جائیگا تم سب اس کو بھائی سمجھنا۔ مجھے وفات کے بعد یہاں غسل دینا اور جنازہ بھی یہاں پڑھنا۔ تاکہ میانوالی کے مسلمانوں کی دعا سے بھی میں فائدہ اُٹھاؤں۔ راستے میں جو اسٹیشن آئے اور اس پر گاڑی ٹھہرے تو بآوازِ بلند کلمہ شریف کا ذکر کرنا۔ اِس سے میری روح خوش ہو گی۔ لاہور پہنچ کر پھر مجھے غسل دینا اور اگر ہو سکے۔ تو وہ چارپائی جس پر حضرت مولوی تاج الدین صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی نعش لیجائی گئی تھی ضرور مہیا کر لینا۔ پھر میرا جنازہ چوبرجی والی گراؤنڈ میں لاہور کے مسلمانوں کی دعائے

نیر کے لئے پڑھنا۔

قبر کے متعلق ہدایات

میری قبر پختہ نہیں بلکہ کچی تیار کرانا۔ ہاں اسکی حفاظت کے لئے ایک تھڑا بنا لینا اور قبر کے گرد میرا والد کٹھرو اپنے ہاتھ سے تیار کرے اور درخت گلاب کے چار گملے قبر کے چار کونوں پر رکھنا۔ قبر کے قرب میں آپ کو درخت لگانے کی ضرورت نہیں۔ میری قبر ننگی ہو تاکہ بارانِ رحمت کی بوندیں اس پر آنے سے نہ رکیں۔ صندوق میں رکھکر پختہ قبر نہ بنانا کہ حضور آقائے دوجہاں صلے اللہ علیہ وسلم کا کمترین غلام ہوں۔ سوائے اس کے اور مجھ میں کوئی وصف نہیں اور سنت کے طریق پر دفن ہونا چاہتا ہوں۔ جب تم میں سے کسی کو میرے ملنے کی خواہش ہو تو درود شریف اور آیتہ کریمہ پڑھ کر سو جانا بس انشاء اللہ ضرور ملوں گا۔

والدہ سے گزارشیں

پھر ماں سے مخاطب ہو کر کہا تو مجھے اپنا دودھ بخش دے۔ اور تو خوش ہو کہ مجھے ایسی موت نصیب ہوئی جس کے لئے بڑے بڑے غازی آرزو رکھتے تھے۔ یہ خدا کی دین ہے کہ آگ لینے جائے اور پیغمبری مل جائے۔ میرے جیسا حقیر اور گنہگار اور یہ احسانِ ربی! پھر فرمایا تم منشی طاہر الدین کو اور ان کے ملنے والوں کو السلام علیکم کہہ دینا۔ (آنے والے شخص نے میانوالی کے مسلمانوں کی مہمان نوازی اور اخوت اور حسنِ اخلاق کی بہت تعریف کی۔ جزاہم اللہ خیرًا)۔

(سیاست)

عاشقِ رسولؐ کی شادیِ مرگ

میں حیران تھا کہ علم الدین کو مرنے کا کیوں غم نہ ہوا کہ مثنوی شریف پڑھتے پڑھتے وفاتِ بلال رضی اللہ عنہ کی حکایت سامنے آگئی۔ جس سے حیرانی دُور ہو گئی۔ اور معلوم ہو گیا کہ عاشقانِ رسولؐ ہمیشہ خوشی سے جان دیا کرتے ہیں۔ حضرت بلال رضؓ کی بیوی آپ کے دمِ رحلت اظہارِ غم کرتی ہے اور بلال رضؓ اظہارِ خوشی۔ بیوی کہتی ہے، الفراق الفراق، بلال رضؓ کہتے ہیں۔ الوصال الوصال۔ بیوی کہتی ہے کہ تم آج رات مسافر بن چلے۔ بلال رضؓ کہتے ہیں۔ نہیں، میں داخلِ وطن ہوا۔ بیوی کہتی ہے واحسرتا، بلال رضؓ کہتے ہیں وا دولتا۔ بیوی کہتی ہے۔ اب میں تمہارا چہرہ کہاں دیکھوں گی، بلال رضؓ جواب دیتے ہیں۔ اللہ کی یاد میں خلوت نشین ہوکر۔ اے میری رفیقِ حیات! میں اس دنیا کے قید خانہ میں بڑا تنگ تھا۔ اب مرکر رہا ہو جاؤں گا۔ تجھے کیا خبر کہ مرنے میں کیا مزا ہے۔ میں دنیاوی چاہ خانہ میں مثلِ گدا پڑا تھا۔ اب بادشاہ بن گیا ہوں۔ مجھے رہنے کو محل درکار ہے جو جان دینے سے ہی ملتا ہے۔ تو نیند کی طرف دیکھ جو موت کی مثال ہے کہ اس میں جان کس طرح غم و فکر سے چھوٹ جاتی ہے اور کس طرح تن کا قیدی جس کی فکر سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اس بیان کا مولینا رومی ہی کے کلام سے لطف آئیگا۔ سنو کہ ایک عاشق بلال رضؓ کا قصہ دوسرے عاشق علم الدین کے واقعہ سے کس قدر ملتا جلتا ہے۔ عشقِ رسولؐ نے دونوں کو یکزبان و یک خیال بنا دیا ہے ؎

آں بلالؓ از ضعف شد ہمچو ہلال　　　رنگِ مرگ افتاد بر روئے بلالؓ

جُفتِ اُو دیدش بگفتا واحرب ‌‌ ‌ پس بلالش گفت نے نے واطرب

تا کنون اندر حرب بودم ز زیست ‌ ‌ ‌ تو چہ دانی مرگ چہ عیش است و چیست

اوہمی گفت و رخش در عین گفت ‌ ‌ ‌ نرگس و گلبرگ و لالہ می شگفت

تابِ رُو و چشمِ پُر انوارِ او ‌ ‌ ‌ می گواہی داد بر گفتارِ او

گفت جُفتش الفراق اے خوش خصال ‌ ‌ ‌ گفت نے نے الوصال است الوصال

گفت جُفت امشب غریبے می روی ‌ ‌ ‌ از تبار و خویش غائب می شوی

گفت نے نے بلکہ امشب جانِ من ‌ ‌ ‌ می رسد خوش از غریبی در وطن

گفت اے جان و دلم واحسرتا ‌ ‌ ‌ گفت نے نے زجانِ من وادولتا

گفت آن رویت کجا بینیم ما ‌ ‌ ‌ گفت اندر خلوتِ خاصِ خدا

حلقۂ خاصش بتو پیوستہ است ‌ ‌ ‌ گر نظر بالا کنی نے سوئے پست

اندر ان حلقہ ز ربّ العلمین ‌ ‌ ‌ نور می تابد چو در حلقہ نگیں

گفت ویران گشت این خانہ دریغ ‌ ‌ ‌ گفت اندمہ نگر منگر بمیغ

کرد ویراں تا کند معمور تر ‌ ‌ ‌ قوم انبہ بود و خانہ مختصر

من چو آدم بودم اوّل حبسِ کرب ‌ ‌ ‌ پُر شد اکنوں نسلِ جانم شرق و غرب

من گدا بودم درین خانہ چو چاہ ‌ ‌ ‌ شاہ گشتم قصر باید بہرِ شاہ

انبیا را تنگ آمد این جہان ‌ ‌ ‌ چون شہاں گشتند اندر لامکاں

در زمانِ خواب چوں آزاد شد ‌ ‌ ‌ زاں مکاں بنگر کہ جاں چوں شاد شد

رُوح از ظلمِ طبیعت باز رست
مُرد زندانی ز فکرِ حبس جست

غازی علم الدینؒ کا آخری بیان

ایک دوست غازی علم الدین رحمتہ اللہ علیہ کی شہادت سے دو دِن قبل زندانِ میاں والی میں غازی مرحوم سے مِلے۔ اس ملاقات کے دوران میں غازی مرحوم نے فرمایا۔ بھائی! تمہارا فرض ہے کہ اس وقت اِس تنگ و تاریک کوٹھڑی میں بیٹھ کر جو کچھ میں تمہارے سامنے بیان کروں تم اسے اہلِ عالم کے کانوں تک پہنچا دو۔ تاکہ اگر میرے متعلق کوئی غلط فہمی ہو تو وہ دُور ہو جائے۔

راجپال کا قاتل میں ہوں۔ اور یقیناً میں نے ہی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت کے والہانہ جذبہ سے بے اختیار ہو کر اس فعل کا ارتکاب کیا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ میں نے موت سے ڈر کر عدالت میں ارتکابِ فعل سے انکار کیا۔ یہ غلط ہے ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ حیاتِ دنیا مستعار ہے اور ہم سب کو ایک نہ ایک دن اس دارِ فنا سے گزرنا ہے۔ پھر میں کیونکر موت سے ڈر سکتا تھا۔ عدالت میں میرے جو بیانات ہوئے وہ میں نے اپنے بزرگوں کے کہنے کے مطابق با دلِ ناخواستہ دیئے۔

میرے نزدیک عشقِ رسولؐ میں کٹ مرنا وہ بلند ترین مرتبہ ہے جو کسی مسلمان کو مِل سکتا ہے۔ اس لئے موت پر غمگین ہونا تو درکنار میرے لئے تو یہ خبر کہ پریوی کونسل میں میری اپیل نامنظور ہو گئی ہے انتہائی مسرت کا موجب ہے اور میں خوش ہوں کہ مشیت الٰہی نے اس زمانہ میں چالیس کروڑ مسلمانوں میں سے مجھے اس سعادت کے لئے منتخب کیا۔ تمام مسلمانوں کو میرا یہ پیغام پہنچا دینا کہ وہ میرے جنازہ پر آنسو نہ بہائیں۔

اَبا سے کہئے کہ وہ بھی اندوہگیں نہ ہوں اور میری ضعیف والدہ کو یہ کہکر تسلّی

اندر سے کچی رکھی جائے۔ صندوق میں دفن کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ نیچے صرف ریت بچھائی جائے۔ جو آدمی میرے بعد میرے خاندان سے وفات پائے اس کی قبر میرے دائیں ہاتھ بنائی جائے۔ بڑے بھتڑے کے چاروں کونوں پر گلاب کے پودے لگائے جائیں۔ باہر کی طرف دو کوٹھریاں بنائی جاویں اور کنواں بھی تعمیر کیا جائے۔ اور مسجد وہاں بنائی جاوے۔ اس کا فرش میری قبر کے فرش سے کسی حالت میں کم نہ ہو۔

عمل ملاقات

اور مجھے ملنے کے واسطے جو وظیفہ آپ کو بتایا گیا ہے۔ وہ ہفتہ اور اتوار کی درمیانی شب کو پڑھنا چاہیئے۔ اور اس روز حقہ، کھٹی چیز، یا بدبودار مثلاً پیاز وغیرہ نہیں استعمال کرنا چاہیئے۔ اور نماز کی سب مسلمانوں کو تلقین کی جائے۔ فرض اللہ عزّ وجلّ کا فرض ہے اور سنت جناب رسول کریمؐ کا۔ جو وظیفہ میں نے تم کو بتلایا ہے۔ وہ صرف میری تسبیح پر ہوگا۔ اور کسی تسبیح پر نہ ہوگا۔ وہ ...... محمد خلیل سے سنبھال لینا۔ ڈیڑھ سو دانہ کی ہوگی۔

امن کی تلقین

جب مجھے دفن کر چکو تو دو رکعت نفل نماز شکرانہ اور دو نفل مغفرت کے واسطے ادا کرنا۔ میری لاش کے ہمراہ فساد بالکل نہ کیا جائے اور امن و امان کی تلقین کی جائے۔ میری لاش کے ساتھ ذکر اللہ ضرور ہو مگر سر سے پگڑی کوئی نہ اُتارے۔

تقسیمِ تبرکات

جو میری قمیص عدالت میں پڑی ہے وہ میرے ماموں سراج الدین کو دی جائے۔ اور میری شلوار میرے بھائی محمد الدین کو دی جائے۔ جو یہاں میرے چار کپڑے ہیں۔ ان میں سے میری پگڑی میرے تایا کو دی جائے اور قمیص ململ کی چھوٹے تایا نور الدین کو۔ اور رکنی جھنڈ و برادر بھتیجے کو دی جائے۔ اور سب بھائیوں کو السلام علیکم۔ یہ میری جملہ

وصیت پوری کی جائے۔ میں نے یہ قتل اس واسطے کیا تھا کہ اس نے میرے آقا کی (نعوذ باللہ) بے عزتی کی تھی۔

یومِ شہادت علم الدینؒ

جمعرات کا دن جمادی الاولےٰ ۱۳۴۸ھ کی ۲۶ تاریخ جو ۳۱ اکتوبر ۱۹۲۹ء کے مطابق ہے میانوالی کی تاریخ میں ایک مہتم بالشان روز ہے۔ کیونکہ اس دن اس کی جیل میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حرمت پر قربان ہونے والے شیر دل علم الدین کو دار پر کھینچ دیا گیا۔

علم الدین نے حسب معمول تہجد کی نماز پڑھی اور اس کے بعد صلوٰۃ الفجر سے فارغ ہو کر قبلہ رُو بیٹھا ہی تھا کہ مجسٹریٹ اور داروغہ جیل وغیرہ نے آ کر خبر دی کہ جس گھڑی کا تمہیں انتظار تھا وہ آ پہنچی۔ وہ عاشقِ جاں باز بولا۔ میں بڑی خوشی سے تیار ہوں۔ پوچھا گیا، کوئی آرزو، کوئی وصیت۔ کہا دو رکعت نماز شکرانہ پڑھنی ہے اور وصیت لکھ لو۔ (یہ آخری وصیت دوسری وصیتوں کے ساتھ نقل ہو چکی ہے)

خیر جب وہ وصیت سے فارغ ہوا تو خود بڑی خوشی سے تختۂ دار پر چڑھ گیا۔ اور حاضرین سے کہا کہ میں نے ہی حرمتِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے تحفظ کے لئے راجپال کو قتل کیا ہے۔ تم گواہ رہو۔ کہ میں عشقِ رسولؐ میں کلمۂ شہادت

تختۂ دار پر شہادت

پڑھتا ہوا جان دیتا ہوں۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ اس کی خواہش تھی کہ وہ خود پھانسی کا رسّہ اپنے گلے میں ڈالے۔ مگر

عاشق رسول غازی علم الدین شہید تختہ دار پر
گیا ہے عشق و محبت کا میں نے فرض ادا ۔ کہ ہو رہا ہوں میں ناموس مصطفےٰ پہ فدا
بارعایت کتابیں منگوانے کا پتہ
منشی عزیز الدین نجم الدین تاجران کتب لاہور
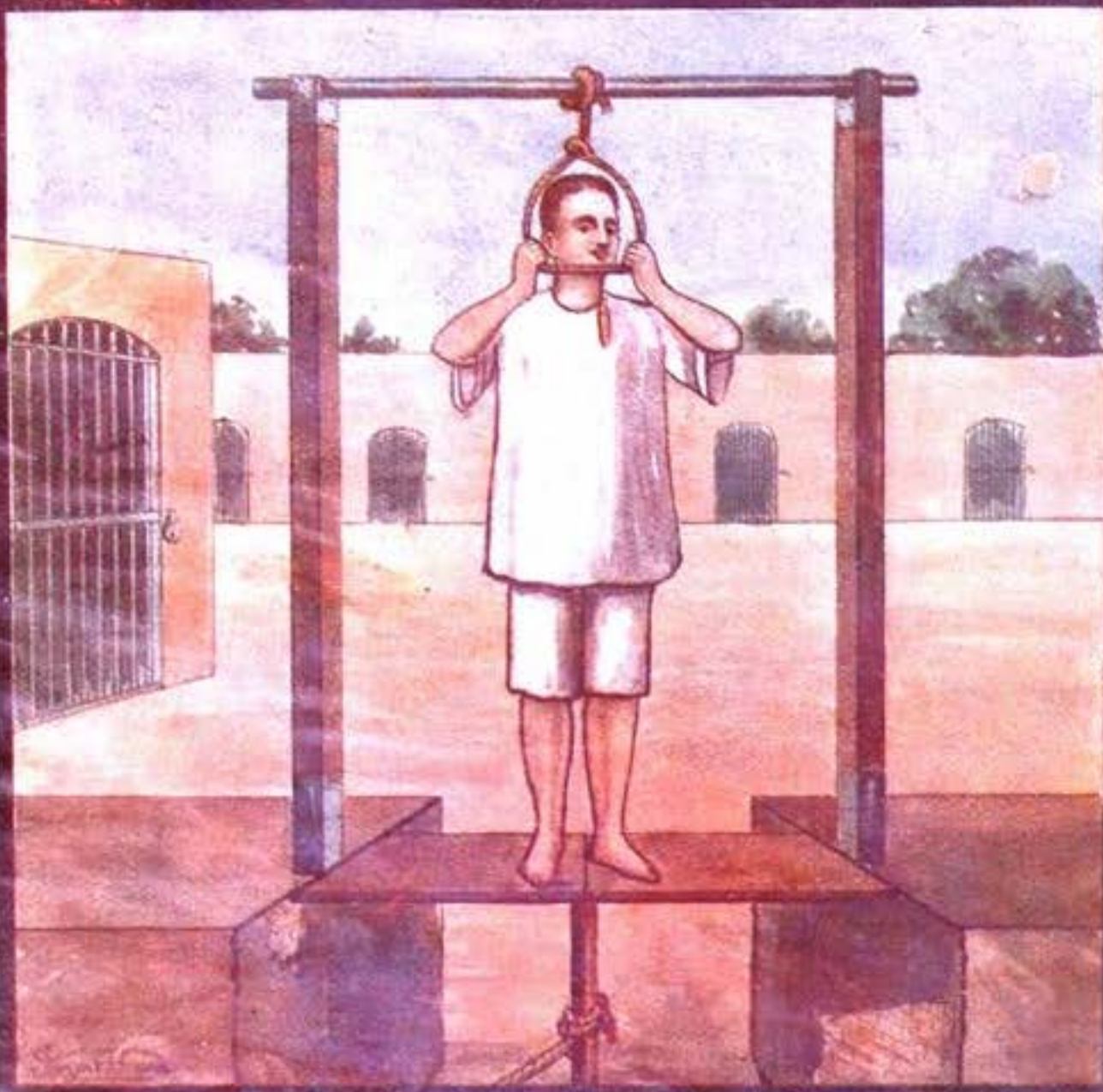
جب اسے کہا گیا کہ یہ خودکشی کے مترادف ہوگا تو وہ اس ارادہ سے باز رہا۔ ہاں اُس نے رسنِ دار کو بوسہ ضرور دیا کیونکہ وہ ہر اُس شئے کو مبارک سمجھتا تھا جو اس کے بارگاہِ حبیبؐ میں پہنچانے کا ذریعہ بنے۔

دار پر کھینچنے سے پہلے ہاتھ پاؤں باندھ دیتے ہیں تاکہ ان کے کھلا رہنے کی صورت میں اُن کی حرکت سے جان بدیر نکلنے سے آدمی کو جانکنی کی زیادہ تکلیف نہ ہو۔ علم الدین ہاتھ پاؤں کھلے رکھ کر پھانسی پانا چاہتا تھا مگر اس کے فائدہ کے لئے اس کی بھی اجازت نہ دی گئی۔ آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی۔ سر پر ٹوپ چڑھا دیا گیا۔ گلے میں رسہ ڈال کر نیچے سے تختہ جو کھینچا تو لٹکتے ہی روح قفسِ عنصری سے بڑے آرام و اطمینان سے پرواز کر گئی۔ اُس نے جسم کو تڑپنے اور پھڑکنے کی بھی تکلیف نہ دی۔ گویا کہ حضرت عزرائیل نے عاشقِ رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی جان جسم کے رسہ پر لٹکنے سے پہلے ہی قبض کر لی۔ اور اسے پھانسی کی زحمت سے بچا لیا ؎

بجرمِ عشقِ محمدؐ اسیر علم الدین — چو مہ بہ برجِ حمیت منیر علم الدین
رسید مژدہ ز رضواں چو شد رسن بگلو — کہ ہست خلد بریں آشنا مسیر علم الدین!
بگفت زود بدرگاہِ احمدم ببرید — کہ ہست کوئے محمدؐ مصیر علم الدین
رسید گفت حبیبِ خدا! سلام علیک — فدائے سرورِ دوراں فقیر علم الدین
بگفت رحمتِ عالمؐ رسیدہ بمراد — ترا ہست نزدِ محمدؐ سریر علم الدین!
مثالِ زیدؓ و خبیبؓ اے بجرمِ متہم قربان — شدی بزمرۂ عشاق میر علم الدین!
بدرجۂ کہ رسیدی نصیبِ اُمت باد — شوند مثل تو روشن ضمیر علم الدین!"

برائے سالِ وفاتش بگفت ہاتفِ غیب
شہیدِ عشقِ محمدؐ کبیر علم الدین (مولف)
۱۳۴۸

رضوان کو جواب

اس نظم کا ماحصل یہ ہے کہ جب علم الدین کے گلے میں رسہ ڈالا گیا اُسے فوراً فرشتۂ جنت (رضواں) نے خوشخبری دی کہ تیرا مقام خلدِ بریں ہے۔ علم الدین نے کہا مجھے جلد بارگاہِ محمدی میں لے چلو۔ میں آپؐ کی خدمت میں رہنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ وہ وہاں پہنچا اور عرض کیا یا حبیب اللہ! جان نثار غلام حاضر ہے۔ سلام قبول فرمائیے۔ حضورؐ نے فرمایا وعلیکم السلام۔ تم اپنی مراد کو پہنچ گئے۔ تم نے زیدؓ اور خبیبؓ کی طرح میری حُرمت پر جان قربان کر دی اور عشاق کے زمرہ میں نام درج کرا لیا۔ جیسا درجہ تمہیں ملا میرے ہر ایک اُمتی کی قسمت ہو*

تاریخ شہادت از مؤلف

عاشقِ جانباز احمد داد جاں مردانہ وار ــ خویشتن را سوخت بر شمع وفا پروانہ وار
بر سرِ دار آمد و سر دار شد حلاج وار ــ یافت تشریف و سلام و رحمت بر درگاہ
در جوانی جانِ شیریں باخت در عشقِ نبی ــ زندۂ جاوید شد آں خوش نصیب مدعی

ہاتفِ غیبی بسالِ فوتِ آن فخرِ فحول
گفت با روحِ قدس پروانۂ شمعِ رسول

۱۳۴۸

انقلاب

۱۵ نومبر ۱۹۲۹ء

عاشق کی میانوالی میں تکفین و تدفین

حکومت کی مصلحت یہی تھی کہ علم الدین کو میانوالی ہی میں دفن کیا جائے مگر مسلمانوں کا مطالبہ تھا کہ اس کی وصیت کے مطابق نعش لاہور میں دفن کرنے

کرنے کے لئے حوالے کی جائے۔ راج ہٹ رعایا کی خواہش پر چند روز کے لئے غالب آئی۔ اور شہیدِ عشق کو قیدیوں کے قبرستان میں ایک گڑھا سا کھود کر دفن کر دیا گیا۔ چونکہ گرد مسلمانوں کا ہجوم تھا جو نعش شہید کی حوالگی پر مصر تھے اور حکّام کو خطرہ تھا کہ مبادا چھین کر لے جائیں۔ اس لئے فوراً قبر میں رکھ کر اور اُوپر ایک کمبل ڈال کر گڑھا پُر کر دیا گیا۔ کہتے ہیں کہ لحد پاٹنے کے لئے گھڑے بھی منگا رکھے تھے مگر لاش چھیننے کے خوف نے انہیں اُوپر چُننے کی مہلت نہ دی اور کفن اور مٹی کے درمیان ایک کمبل ہی کا پردہ کافی سمجھا گیا۔ ملک زبان بہادر صاحب کی دانشمندی سے ہجوم بغیر آتشباری کے منتشر ہو گیا۔ ورنہ پولیس کا مسلمان افسر تو سنا ہے کچھ اور ہی مشورہ دے رہا تھا۔

جب ایسے اولوالعزم شخص کے اس بے کسی سے دفن ہونے کی مسلمانوں کو اطلاع ہوئی تو اُن کے دلوں کو بڑا صدمہ ہوا۔ ماتمی جلوس نکلے۔ ہڑتالیں ہوئی، اور جلسوں میں غم و غصہ کا اظہار کر کے مطالبہ کیا گیا کہ شہید کا لاشہ صندوق میں بند کر کے ہمیں لاہور حوالہ کیا جائے۔ ورنہ ایجی ٹیشن جاری رہے گا تا آنکہ بہت سے مسلمان میانوالی میں اپنی قبریں علم الدین کے ساتھ نہ بنوالیں۔ یا نعش حوالے نہ کر دی جائے۔

شہید کی قبر پر روشنی اور خیمے

یہ کب ممکن تھا کہ عاشق رسول الثقلین کی خواہش کہ اُس کا مزار لاہور ہی میں بنے پوری نہ ہو۔ اگر وہ لاہور ہی میں شہید کر دیا جاتا تو خدا نے جس قدر اُس کا

نام کرنا تھا نہ ہوتا۔ جوں جوں اس کی وصیت کی تکمیل میں تاخیر واقع ہوئی مسلمانوں کی محبت اور عقیدت میں اضافہ ہوتا گیا۔ ملک میں شورش پیدا ہو گئی اور لوگ جتھے بنا بنا کر میانوالی جانے پر آمادہ ہو گئے۔ حکام کو خطرہ ہوا کہ نعش نکال کر لے جائینگے تو بڑی گڑبڑ ہو گی۔ پس قبر پر گیسوں کی روشنی کی گئی اور اس کی پاسبانی کے لئے سپاہی متعین کر دیئے گئے۔ شہید کے مزار پر جو رونق اور چراغاں مسلمانوں کو کرنا تھا اس کا آغاز خدا نے حکام کے ہاتھوں میانوالی ہی میں کرا دیا۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے کشتۂ محبت کا مزار ہو اور کس مپرسی کی حالت میں رہے؛ غیر ممکن تھا۔

یہ دشمنانِ رسولؐ کی قبور کے لئے مقدر ہے کہ گدھے لوٹیں اور اُلو بولیں۔ علم الدین کی قبر بے رونقی کا منظر کیوں بنتی؛

علم الدین کسی قیدی کا رشتہ دار نہ تھا۔ ہاں اس کے کئی دینی اور روحانی بھائی اسیرِ زندان تھے انہوں نے نہایت خلوص اور محبت سے ۳۵ قرآن ختم کیے اور اکیس ہزار مرتبہ درود شریف پڑھ کر شہید کی روح کو ایصالِ ثواب سے خوش کیا۔

علم الدین کے دل میں محبتِ رسولؐ کا جذبہ

مسلمان کو جتنی محبت حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے ہے اتنی نہ اپنی ذات سے ہے نہ اپنے والدین سے اور نہ اپنی اولاد سے۔ اُس کے نزدیک حضورؐ کی ناموس پر مرمٹنا وہ سب سے بڑی سعادت ہے۔ جو حضورؐ کے کسی غلام کے حصہ میں آسکتی ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ جس مسلمان کو حضورؐ کی ذات کے ساتھ والہانہ عشق نہیں۔ اس کا دعوئے اسلام و ایمان اور دعائے باطل ہے۔ میدانِ جنگ میں

اگر اس کا حریف اس کے منہ پر تھوک دے۔ تو وہ اُسے معاف کر سکتا ہے۔ بزبیل رجز اگر اُسے گالیاں سُنا دے تو وہ اُن گالیوں کو بنظرِ اغماض دیکھ سکتا ہے حالتِ نماز میں اگر کوئی دشمن اس کے جگر میں اپنا خنجر بھونک دے تو وہ یہ وصیت کر سکتا ہے کہ جب تک میرے جسم میں بقدر ایک رمق کے بھی جان باقی ہے اس کے ساتھ کوئی ایسا سلوک نہ کیا جائے جسے انتقام پر محمول کیا جا سکے۔ اور جب میری روح قفسِ عنصری سے پرواز کر جائے تو میرے قاتل سے قصاص لینے میں میرے ورثا مختار ہیں لیکن عشقِ رسولؐ اس کے قلب کا نازک ترین گوشہ ہے اور اگر اس پر کوئی چرکا لگائے تو پھر اُسے مجالِ صبر نہیں رہتی اور جو کچھ اُس سے ہو سکے۔ وہ نتائج و عواقب سے بے نیاز ہو کر کر گزرتا ہے اور اُس کا دل رہ رہ کر اُسے کہتا ہے کہ

رہ نزانِ اجل از دست تو ناگاہ برند — کفِ خوشی کہ بداں بنتِ داری ندہی

۵ دلا زندگی کا نہیں اعتبار — محمدؐ کی حُرمت پہ ہو جاں نثار (مولف)

علم الدین مرحوم و مغفور نے جو کچھ کیا عشقِ رسولؐ کے جذبۂ بے پناہ کے ماتحت کیا دنیا اسے دیوانہ یا مجنوں کہے تو کہا کرے۔ عشق جنون ہی تو ہے اور ہمیں اس امر کا اعتراف ہے کہ جس حد تک عشقِ مصطفےٰؐ کا تعلق ہے یہ دیوانگی ہر مسلمان کا سرمایۂ حیات اور وثیقۂ نجات ہے اور اس کے مقابلہ میں حضورؐ کے غلام دنیا جہان کی فرزانگیوں کو ہیچ سمجھتے ہیں۔ غازی علم الدین مرحوم نے اپنی جانِ شیریں قربان کر کے تعبدزار ہند کی نیلی چھت کے نیچے رہنے والوں کو بتا دیا کہ جب تک اس سرزمین میں پیشوایانِ ادیان و ہادیانِ مذاہب کی عزت محفوظ نہیں۔ اس وقت تک وہ امن جس کا خواب ہندوستانی رہنما دیکھ رہے ہیں ایسا لفظ ہے جو شرمندۂ معنی نہیں اور اپنے خون سے ہند کے در و دیوار پر یہ کبھی نہ مٹنے والے الفاظ لکھ دیئے کہ یہ سرزمین حقیقی امن سے اس وقت تک متمتع نہیں ہو سکتی جب تک اس میں بسنے

والے انسانیت کبریٰ کے اس سب سے بڑے ہمدرد اور فطرتِ انسانی کے اِس سب سے بڑے رازدان کا ادب کرنا نہ سیکھیں جس نے اپنے پیرووں کو یہ تعلیم دے کر تمام انبیاء و مرسلین اور تمام مقتدایان مذاہب کی عزت و ناموس کو محفوظ کر دیا۔ کہ ربع مسکون کا کوئی حصہ ایسا نہیں جس کے رہنے والوں کو ہدایت کے لئے کسی نہ کسی زمانہ میں خدائے بزرگ و برتر نے کوئی مامور یا مرسل نہ بھیجا ہو۔ حضور کی اس تعلیم کی رُو سے فرزندانِ اسلام تمام مذہبی پیشواؤں کا احترام کرنے پر مجبور ہیں اور اس کے عوض میں وہ یہ توقع رکھنے میں قطعاً حق بجانب ہیں کہ دوسرے مذاہب کے پیرو اُن کے آقا و مولا کا احترام کریں ۔۔ "زمیندار"

غازی ممدوح کے لاشہ کو روکنے کا نتیجہ

میانوالی اور اسکے مضافات میں ہیجان و اضطراب

میانوالی - ۳۱ر اکتوبر - ڈپٹی کمشنر یا بالفاظِ دیگر حکومتِ پنجاب نے پروانۂ شمع مصطفوی غازی علم الدین شہید رحمتہ اللہ علیہ کے لاشہ کو لاہور لیجانے سے روک دیا ہے۔ اس خبر سے میانوالی اور اس کے مضافات کے تمام مسلمانوں میں شدید ہیجان و اضطراب کی لہر دوڑ گئی ہے۔ تمام مسلمان اس بات پر تُلے ہوئے ہیں کہ غازی مغفور کے لاشہ کو ان کی وصیت کے مطابق لاہور روانہ کرا کر رہیں گے حکومت کی اس ناجائز کارروائی کے خلاف مسلمان بے حد برافروختہ ہو گئے ہیں اگر لاشہ کو لاہور لایا گیا تو میں ہمراہ ہوں گا +

اللہ جوایا (میانوالی)

میاںؒ علم الدینؒ شہید کی یاد میں

مسلمانوں نے روزے رکھے اور ہڑتال کی

لاہور۔ ۱۳ اکتوبر۔ مسلمانوں کا جو جلوس ننگے سر لاہور کی گلیوں اور بازاروں میں پھر رہا تھا۔ وہ بھاٹی دروازے سے نکل کر بلدیہ کے باغات میں سے ہوتا ہوا موری، لوہاری اور شاہ عالمی دروازوں کے سامنے سے گزرتا ہوا موچی دروازہ پہنچا۔ جہاں توقع ہے کہ جلسہ عام منعقد ہوگا۔ آج مسلمانوں کی ۹۹ فیصدی دکانیں بند رہیں۔ اور اکثر مسلمانوں نے روزے رکھے ہوئے ہیں۔

میاں علم الدین کی نعش کو لاہور لانے کی ممانعت

مسلمانان لاہور کا پرزور احتجاج

۱۳ اکتوبر کی شام کو لاہور میں یہ اطلاع موصول ہونے پر کہ ڈپٹی کمشنر میانوالی نے میاں علم الدین غازی کی نعش کو لاہور لانے کے لئے میاں صاحب موصوف کے والد کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ مقامی مسلمان رات کے دس بجے باغ بیرون موچی دروازہ میں مجتمع ہونا شروع ہو گئے۔ حتٰے کہ دس ہزار کے قریب مجمع ہو گیا اور جلسہ شروع ہوا۔ تلاوت قرآن کریم کے بعد ڈاکٹر سلطان محمد معتمد مجلس خلافت پنجاب لاہور نے ایک تقریر فرمائی جس کے ضمن میں آپ نے کہا کہ حکومت کو چاہیئے کہ میاں علم الدین غازی کی نعش میاں صاحب کے والد کے

حوالے کر دے۔ تاکہ تدفین کی غرض سے نعش کو لاہور لایا جا سکے۔ آپ نے کہا کہ مجلس خلافت پنجاب لاہور کی طرف سے اس مضمون کا ایک تار گورنر پنجاب چیف سکرٹری حکومت پنجاب اور آنریبل رکن مالیات کے نام بھیجا گیا ہے۔ آخر میں آپ نے اعلان کیا کہ کل بتاریخ ۳۱ اکتوبر بروز جمعرات باغ بیرون دہلی دروازہ میں مسلمانان لاہور کا ایک جلسہ عام منعقد ہوگا جس میں تمام مسلمانوں کی شمولیت ضروری ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے بعد متوزر شیر دل نے حسب ذیل تجویز پیش کی:۔

ڈپٹی کمشنر میانوالی نے میاں علم الدین غازی کی نعش کو تدفین کی غرض سے لاہور لانے سے انکار کر دیا ہے۔ اس لئے مسلمانان لاہور کا یہ جلسہ عام استدعا کرتا ہے کہ آپ ازراہ کرم میاں صاحب موصوف کی نعش کو لاہور لائے جانے کی اجازت مرحمت فرمائیں تاکہ میاں صاحب کی وصیت کے مطابق ان کی نعش کی تدفین عمل میں لائی جائے۔ شیخ غلام مصطفٰے صاحب جنرل سیکرٹری انجمن احرار الاسلام لاہور نے پرزور الفاظ میں تجویز کی تائید کی اور فرمایا کہ حکومت نے راجپال اور چندر داس کی نعش کو ہندوؤں کے حوالے کر دیا۔ لیکن شمع رسالت کے پروانے میاں علم الدین غازی کی مبارک نعش کو تدفین کی غرض سے لاہور لانے کے لئے میاں علم الدین کے والد کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ جس سے مسلمانوں کے مذہبی جذبات وحسیات کو شدید ترین صدمہ پہنچا ہے۔ آپ نے کہا کہ حکومت پر واضح کر دینا چاہیئے کہ میاں صاحب ممدوح اسلامیان ہند کے محبوب ترین رہنما ہیں اور اس لئے ہم اس وقت تک چین سے نہ بیٹھیں گے۔ جب تک کہ حکومت میاں صاحب کی نعش کو لاہور نہ پہنچا دے۔ شیخ صاحب کے بعد مولانا مسلم نے تقریر کی۔ جس کے ضمن میں آپ نے کہا کہ حکومت کو یہ غلط فہمی ہے کہ نعش کے لاہور لائے جانے پر کسی قسم کا ہنگامہ برپا ہو جائے گا۔ آپ نے حکومت کو اس امر کا یقین دلایا کہ نعش

کے لاہور آنے پر کوئی ہنگامہ برپا نہ ہوگا۔ اور مسلمان بالکل پُرامن اور پُرسکون رہیں گے مسلم صاحب کی تقریر کے بعد تجویز بالاتفاق منظور ہوئی۔

جلسہ میں حاضرین سے استدعا کی گئی کہ وہ کل صبح مکمل ہڑتال کریں۔ میاں علم دین صاحب کے والدِ ماجد سے بذریعہ تار کہا گیا کہ جب تک انہیں مسلمانانِ لاہور کی جانب سے دوسرا تار موصول نہ ہو۔ وہ نعش کی تدفین کے متعلق کوئی کارروائی عمل میں نہ لائیں۔ تاروں کے مصارف حاضرین سے بحساب ایک پیسہ فی کس وصول کئے گئے۔ اور کل رقم ۲۲ روپے ۱۴ آنے جمع ہوئی۔

جلسہ میں غازی علم الدین زندہ باد اور غازی عبدالرشید زندہ باد کے نعرے لگائے گئے۔ (سیاست)

غازی علم الدینؒ کی نعش کی حوالگی کا مطالبہ

مسلم لیگ کی قرارداد

۳۔ نومبر کو بعد دوپہر سر میاں محمد شفیع بالقابہٗ کی کوٹھی پر مسلم لیگ کا ایک اہم جلسہ منعقد ہوا۔ غازی علم الدین شہید رحمتہ اللہ علیہ کے لاشہ کی واپسی کے مسئلہ پر غور و خوض کیا گیا۔ اس پہ دیر تک بحث ہوتی رہی کہ نعش کی لاہور واپسی پر کسی قسم کے فساد کا اندیشہ ہے کہ نہیں۔ مولٰنا غلام محی الدین خانصاحب قصوری نے پُرزور الفاظ میں اس امر کا اعلان کیا کہ میاں علم الدین علیہ الرحمتہ کے لاشہ کی عدم حوالگی پر مسلمانوں کے مابین بڑا ہیجان پایا جاتا ہے۔ ہمیں ان کی پوری نمائندگی کرنی چاہیئے۔ اور میں اپنی ذات سے اور مال سے اس کی ذمہ داری لینے کو

تیار ہوں۔ کہ کسی قسم کے فساد کا خطرہ نہیں۔ اِس پر لیگ نے اس مضمون کا ایک ریزولیوشن منظور کیا کہ حکومت پنجاب غازی علم الدّین کی نعش کو اس کے ورثا کے حوالے کردے تا کہ اُسے لاہور میں اس کی وصیت کے مطابق دفن کیا جائے۔ اور اگر حکومت کو کسی قسم کے فساد کا خطرہ ہو تو وہ حفظِ امن کے طور پر جو عملی تدابیر اختیار کرے ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں۔

متذکرہ صدر قرارداد منظور ہونے کے فوراً بعد حکومت پنجاب کو ارسال کردی گئی۔ مجلسِ خلافت نے بھی اسی قسم کی قرارداد منظور کی۔ (ماخوذ)

حکومت کی تلافیٔ مافات

غازی علم الدین شہید کے متعلق سب سے پہلی قانونی غلطی یہ تھی۔ کہ غازی مغفور کو لاہور جیل سے میانوالی جیل میں منتقل کردیا گیا۔ دوسری غلطی یہ تھی کہ آپ کو میانوالی جیل میں جامِ شہادت پلایا گیا۔ حالانکہ ازروئے قانون میاں علم الدین کو لاہور ہی میں جامِ شہادت پلایا جانا ضروری تھا کیونکہ جس قتل کا الزام غازی شہید پر عاید کیا گیا تھا۔ وہ لاہور ہی میں واقع ہوا اور تیسری غلطی کا ارتکاب یوں کیا گیا کہ غازی شہید رح کے جسد مبارک کو آپ کے ورثا کے حوالے نہ کیا گیا۔ حکومت نے خود اپنے بنائے ہوئے قانون کی خلاف ورزی کی۔ اِن پے در پے غلطیوں کے باعث مسلمانوں کے دِل بے حد مجروح ہو گئے اور اُنہوں نے غازی شہید کی نعش کی حوالگی کا مطالبہ شروع کر دیا۔ پنجاب کے دار الحکومت میں جو عظیم الشان مظاہرے اور جلسے کئے گئے وہ اِس امر کے شاہد ہیں کہ مسلمانوں کے دِلوں میں غازی شہید رح کی عقیدت کس درجہ

جاگزین ہے۔ یہاں یہ ذکر کر دینا بھی مناسب ہے کہ شدید ترین غلطی جس نے مسلمانوں کے دِلوں کو بہت صدمہ پہنچایا یہ تھی کہ وہ شہید کی وصیت کی تکمیل میں مزاحم ہوئی لیکن اسلامیانِ لاہور کے نمائندوں کا جو عظیم الشان وفد ہِز ایکسیلنسی سر جافرے ڈی مونٹ مورنسی گورنر پنجاب سے غازی شہید کی نعش کی حوالگی کے سلسلے میں ملاقی ہوا۔ گورنر بہادر نے اس کی عرضداشت کو نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ سُنا۔ یہ وفد سر شفیع علامہ اقبال، میاں عبدالعزیز، مولینا غلام محی الدین صاحب قصوری وغیرہ جیسے معزز حضرات پر مشتمل تھا۔ ڈپٹی کمشنر اور کمشنر لاہور نے بھی مسلمانوں کے جذبات و حسّیات کا پاس کرتے ہوئے ان کے جائز مطالبہ پر ہمدردی کا اظہار کیا۔ اور گورنر صاحب نے یہ شرائط پیش کیں:۔

حوالگیٔ نعش کے متعلّق شرائط

گورنر نے اپیل کی کہ موجودہ ایجیٹیشن کو فی الفور بند کر دیا جائے۔ اخبارات خاص جذبات اُبھارنے والے آرٹیکل اور خبریں شائع کرنا بند کر دیں۔ جلسے اور جلوس روک دیئے جائیں۔ فضا میں اشتعال کا عنصر نہ رہے بلکہ ایک سکون قائم ہو جائے۔ نعش لے کر لاہور شہر کے اندر سے جلوس نہ نکالا جائے۔ مسلمانوں کا ہجوم جو نمازِ جنازہ میں شریک ہونے کے لئے جائے۔ اس سے کسی قِسم کی کوئی حرکت سرزد نہ ہو جس سے کسی خاص قوم کے جذبات کو ٹھیس لگے۔ اس پر ارکان نے کہا کہ اگر حکومت ہمیں یقین دلاتی ہے کہ عِلم الدین کی نعش ہمارے حوالے کر دی جائیگی تو ہم مسلمانوں سے ابھی اپیل کریں گے کہ چونکہ حکومت نے ہمارا مطالبہ تسلیم کر لیا ہے۔ اس لئے موجودہ ایجیٹیشن روک دی جائے۔ چنانچہ گورنر نے وعدہ کر لیا۔ اور بلاتے وغیرہ کی تجویز اور دیگر شرائط پر غور کرنے کے لئے، ۱ نومبر کی شام تک کا وقفہ

حاصل کیا گیا۔ ۶ نومبر کی شام اور ۷ نومبر کے دن معززین کا ایک جلسہ بند کمرہ میں ہوا۔ جن میں جملہ اُمور طے پا گئے۔ اور شام کے چھ بجے مسلم وفد نے پھر گورنر سے ملاقات کی جس میں فیصلہ ہوا کہ مسلمان مجسٹریٹ نعش میانوالی سے لائیں اور اس کی حوالگی کی اطلاع مسلمانوں کو بیس گھنٹے پہلے دی جائے۔ (ماخوذ از اخبارات)

میانوالی سے علم الدین شہیدؒ کی اسپیشل لاہور کو

لاہور کے دو مسلمان میونسپل کمشنر اور ایک مسلمان مجسٹریٹ علم الدین شہید کی میت لانے کے لئے میانوالی گئے۔ انہوں نے قبر سے ۱۳ نومبر کو یعنی دفن سے تیرھویں دن نعش نکالی۔ جس کو کسی قسم کی ایذا نہ پہنچی تھی۔ نہ اس میں تعفن پیدا ہوا نہ بُو پیدا ہوئی تھی۔ صندوق سید مراتب علی شاہ صاحب گیلانی نے خود اپنی نگرانی میں بنوایا۔ اس کے اندر جست اور جست کے اُوپر روئی لگوائی اور شہید کے جسم کے آرام کے لئے تکیے لگائے۔ صندوق کو کافور سے خوشبودار بنایا گیا۔ نعش خود گیلانی صاحب نے اپنے ہاتھ سے اُٹھا کر صندوق میں دھری۔ صندوق کو موٹر میں رکھ کر میانوالی کے سٹیشن پر پہنچایا گیا۔ جہاں ایک سپیشل ٹرین میت کو لاہور لانے کے لئے طیار کھڑی تھی۔ اسپیشل میں ایک ڈبہ فرسٹ کلاس کا ایک سیکنڈ کلاس کا اور دو ایک بوگیاں لگائی گئی تھیں۔ شام ساڑھے چار بجے اسپیشل میانوالی سے روانہ ہوئی اور راستے میں کسی سٹیشن پر نہ ٹھیرتے ہوئے ایک بجکر چالیس منٹ پر لالہ موسیٰ سے گذری۔ علی الصباح ۵ بجکر ۳۵ منٹ پر لاہور چھاؤنی کے اسٹیشن پر پہنچ گئی۔ اور سٹیشن سے ورے نہر کے پُل پر جو سنٹرل جیل سے نزدیک ہے کھڑی کر لی گئی

وہاں جیل کی ڈولاریاں پہلے ہی سے کھڑی تھیں۔

شہید کی میّت مسلمانوں کے حوالے

اس مقام پر شہید کی نعش سنٹرل جیل کے حکام کے حوالے کی گئی۔ جنہوں نے پونے سات بجے پونچھ ہاؤس کے سامنے وہ صندوق جس میں حرمتِ رسول کا فدا کار لیٹا تھا، مسلمان معززین کے حوالے کر دیا۔ اور رسید لے لی معززین میں سر محمد شفیع، سر محمد اقبال اور چند ایک میونسپل کمشنر تھے۔ وہاں سے میت سات بجے کے قریب جنازہ گاہ یعنی چوبرجی کے میدان میں لائی گئی۔ وہاں بھی عام مسلمانوں کے علاوہ مسلمان اکابر موجود تھے۔

کلمہ گویانِ محمد کا بے نظیر اجتماع

۱۴ر نومبر بروز پنجشنبہ لاہور بلکہ مسلمانانِ پنجاب کی تاریخ میں ایک نہایت غیر معمولی دن تھا۔ کیونکہ آج مسلمانوں نے اپنے شہید کی نمازِ جنازہ جس نے اپنی جان کو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس پر پروانہ وار فدا کر دیا تھا اس شان و شوکت کے ساتھ ادا کی جس کا یہ مبارک موقع مستحق تھا۔ گو کل میت کے آنے کے متعلق منادی بعد شام ہوئی تھی تاہم صبح ہی سے لوگ چوبرجی کے چاند ماری کے وسیع میدان میں جمع ہونے لگے تھے۔ لاہور کی سڑکوں پر مسلمانوں کے اس اژدحامِ کثیر کا نظارہ جو آج چوبرجی کے میدان کی طرف جا رہا تھا کبھی عیدین کے موقع پر بھی نظر نہ آیا تھا۔ پیغمبر خدا محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی حرمت و ناموس کے محافظ اور سرورِ کائنات علیہ افضل التحیات کے نام لیوا اور اس فرات

پاک کا کلمہ پڑھنے والے مسلمان کسی قسم کے جوش وخروش کے اظہار کے بغیر میدان میں جمع ہو رہے تھے۔ موٹریں، تانگے، لاریاں پیدل غرض کہ آمد و رفت کی اس قدر بھیڑ تھی کہ لیک روڈ کا وسیع ترین راستہ بھی اس بھیڑ کا مشکل سے متحمل ہو رہا تھا۔

آسمان کی آنکھ نے اس سے پہلے بھی کئی بار دیکھا تھا اور اب پھر دیکھ لیا۔ کہ حضور علیہ السلام کا عشق انسان کو کس معراجِ کمال پر پہنچا دیتا ہے اور ایک ذرۂ حقیر کو کس طرح معزز و سربلند و ممتاز کرتا ہے۔ لاہور کا ایک غیر معروف لڑکا علم الدین محض عشقِ رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اس قدر عزت پا گیا کہ اس کی نمازِ جنازہ میں بڑے سے بڑے مسلمان سے لے کر چھوٹے سے چھوٹے مسلمان شریک ہوئے۔ اور خلق اللہ کا اس قدر ہجوم ہوا کہ باید و شاید۔

شہر کے تمام مسلم اکابر، تمام میونسپل کمشنر اور تمام اخباروں کے ایڈیٹر شامل تھے

پولیس اور فوج کے انتظامات

حکومت نے بھی اس موقع کے لئے پولیس اور فوج کے زبردست انتظامات راستوں، چوراہوں اور شہر کے اہم مقامات پر کر رکھے تھے۔ یہ انتظامات رات کے بارہ بجے سے شروع تھے۔ گورہ پلٹنیں سول لائن اور شہر کے اہم مقامات پر بٹھا دی گئی تھیں۔ ڈاکخانہ اور تار گھر کے قریب مشین گنیں رکھی ہوئی تھیں اور مسلح گاڑیاں بھی متعدد مقامات پر دیکھی گئیں۔ حفظِ امن کی خاطر موزنگ، انارکلی، لوہاری دروازہ سے سید مٹھا تک سوتر منڈی، چوک متی، پاپڑ منڈی، چوک رنگ محل بزاز ہٹہ، لنڈے منڈی۔ ڈبی بازار، کشمیری بازار۔ پرانی کوتوالی اور بڑی کوتوالی میں پولیس کے دستوں کے علاوہ ہندو مسلمان معززین کی ڈیوٹیاں لگا دی گئی تھیں تاکہ مفسدہ پرداز شرارت نہ کرنے پائیں۔

علم الدین کا تاریخی جنازہ

تاریخ میں عاشقان رسولؐ علیہ السلام کے جو جنازے بڑی دھوم دھام سے نکلے اُن میں علم الدین کا جنازہ بھی شمار ہوگا۔

سب سے پہلا جنازہ حضرت امام ابو حنیفہؓ الملقب بہ امام اعظم کا تھا۔ جو رجب ۱۵۰ھ میں فوت ہوئے۔ شبلی سیرۃ النعمان میں لکھتے ہیں کہ غسل سے فارغ ہوتے ہوتے لوگوں کی وہ کثرت ہوئی کہ پہلی بار نمازِ جنازہ میں کم و بیش پچاس ہزار کا مجمع تھا۔ اس پر بھی آنے والوں کا سلسلہ قائم تھا۔ یہانتک کہ چھ بار نماز پڑھی گئی اور عصر کے قریب جاکر لاش دفن ہوسکی۔ امامؓ نے وصیت کی تھی کہ خیزران کے مقبرہ میں دفن کئے جائیں کیونکہ یہ جگہ اُن کے خیال میں مغصوب نہ تھی۔ اس وصیت کے مطابق خیزران کے مشرقی جانب، ان کا مقبرہ تیار ہوا۔ مؤرخ خطیب نے لکھا ہے کہ دفن کے بعد بھی بیس دن تک لوگ اُن کے جنازہ کی نماز پڑھا کئے۔ مزار بغداد میں زیارت گاہِ خلق ہے۔

دُوسرا اہتمم بالشان جنازہ مولانا محمدؐ جلال الدین رومی رح کا تھا جن کی کتاب مثنوی شریف کو ہر کوئی جانتا ہے۔ آپ ۵ جمادی الاخری ۶۷۲ھ کو شام کے وقت فوت ہوئے۔ رات بھر تجہیز و تکفین کی تیاری ہوتی رہی۔ صبح کو جنازہ اُٹھا کوئی آنکھ نہ تھی جو روتی نہ ہو۔ ہر طبقہ و فرقہ کے خورد و کلاں شریکِ جنازہ تھے حتےٰ کہ یہود و نصارے بھی جو کہتے تھے کہ اگر یہ مسلمانوں کے محمدؐ تھے۔ تو ہمارے لئے بمنزلہ موسئے و عیسئے تھے۔ صبح کو گھر سے نکلے اور شام کے بعد نمازِ جنازہ اور دفن سے فارغ ہوئے۔ اس کے بعد بھی چالیس روز تک مزار پر زائرین کا ہجوم

رہا۔ اب بھی مرقدِ منور قونیہ (ایشیائے کوچک) میں بوسہ گاہِ خلق ہے۔

تیسرا جنازہ علم الدین کا ہے جس کی کیفیت اخبارِ انقلاب سے درج کی جاتی ہے

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

۱۴ نومبر کی صبح کو غازی علم الدین کی میت لاہور میں مسلم اکابر کے حوالے کی گئی۔ اور چوبرجی کے میدان میں حضور خواجۂ دوجہاں صلے اللہ علیہ وسلم کے غلاموں نے اپنے آقا و مولے (بآبائنا ھو و امھاتنا) کی عزت و حرمت کے شہید کی پُرجلال بارگاہ میں آخری عقیدت و نیازمندی کے پھول پیش کئے۔ جن لوگوں نے یہ منظر دیکھا ہے، وہ جانتے ہیں، کہ الفاظ کا کوئی ذخیرہ، ادب کا کوئی خزینہ، قوتِ بیان کی کوئی وسعت اور استعدادِ اظہارِ حقایق کی کوئی پہنائی اس منظر کا نقشہ اُتارنے میں سازگار نہیں ہوسکتی۔ جو ۱۴ نومبر کی صبح کو چوبرجی کے میدان میں رونما ہُوا۔ یہ کہنا کہ وہاں لاکھوں مسلمان جمع ہوئے۔ جن میں سے ہر شخص کا قلب، ہر شخص کی زبان، ہر شخص کی آنکھیں شہید حرمت سرورِ لولاک صلے اللہ علیہ وسلم کی عقیدت سے لبریز تھیں۔ اس منظر کی روح افروزی کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ جنازے کی پہلی نماز میں دو لاکھ سے زاید مسلمان شریک ہوں گے۔ یہ تحقیقی بیان ہے اور اسے علم اجتماعات کی تعداد کے متعلق سخن طرازی کا کرشمہ نہیں سمجھنا چاہیئے۔ اور یہ اجتماع کس مقام پر ہوا؟ اس مقام پر جو لاہور شہر کے ایک طرف آبادی سے کم و بیش تین میل باہر ہے اور جہاں پہنچنے کے لئے شہر کے اکثر حصوں کے مسلمانوں کو چھ چھ سات سات میل کا فاصلہ طے کرنا پڑا۔ اور جن لوگوں کے پاس سواری کے تمام سائل مہیا تھے۔ انہیں بھی بدرجۂ اقل ایک میل پیدل چلنا پڑا۔ پہلی نماز کے اختتام

جنازہ غازی علم الدین شہید رحمتہ اللہ علیہ
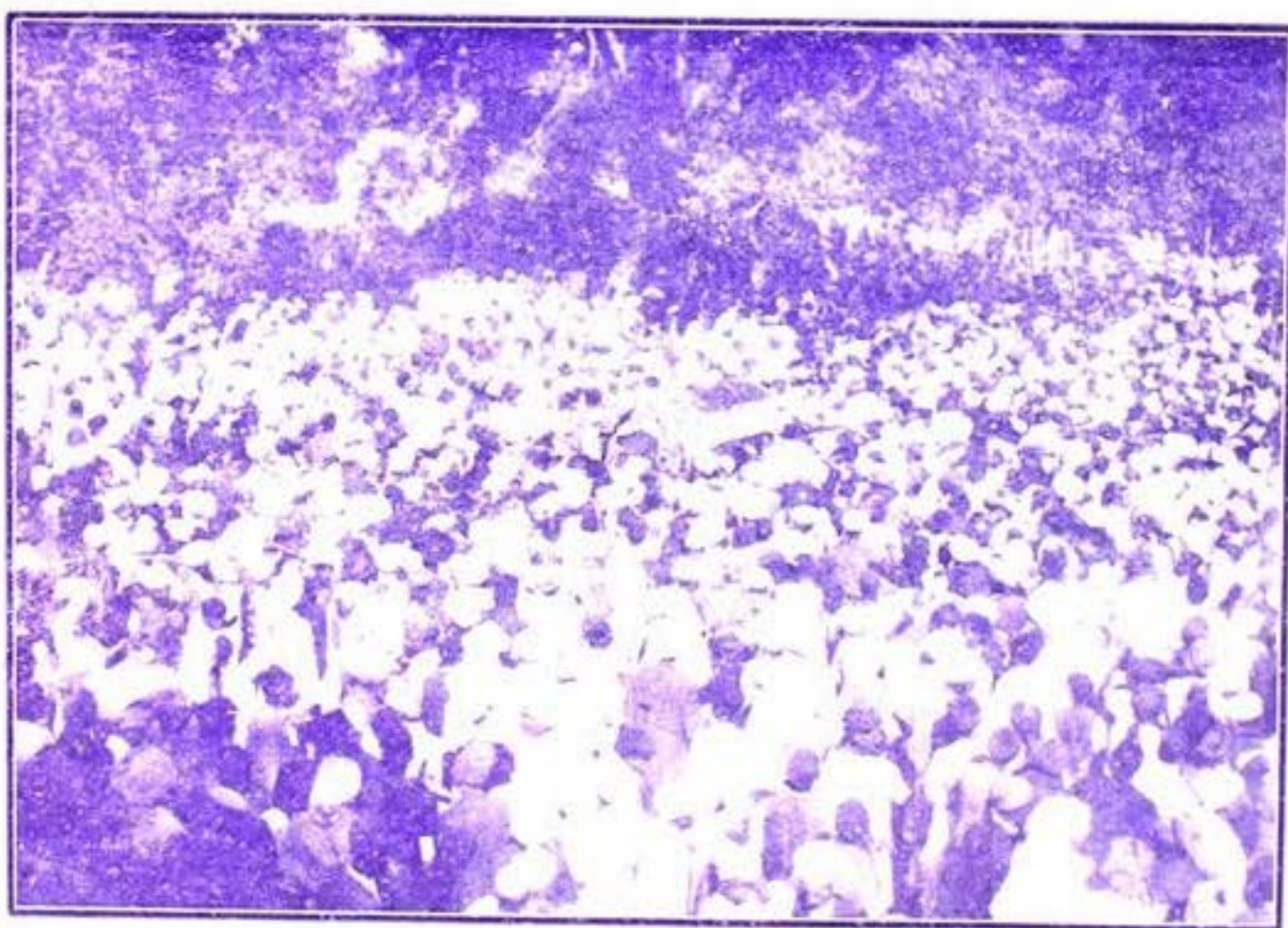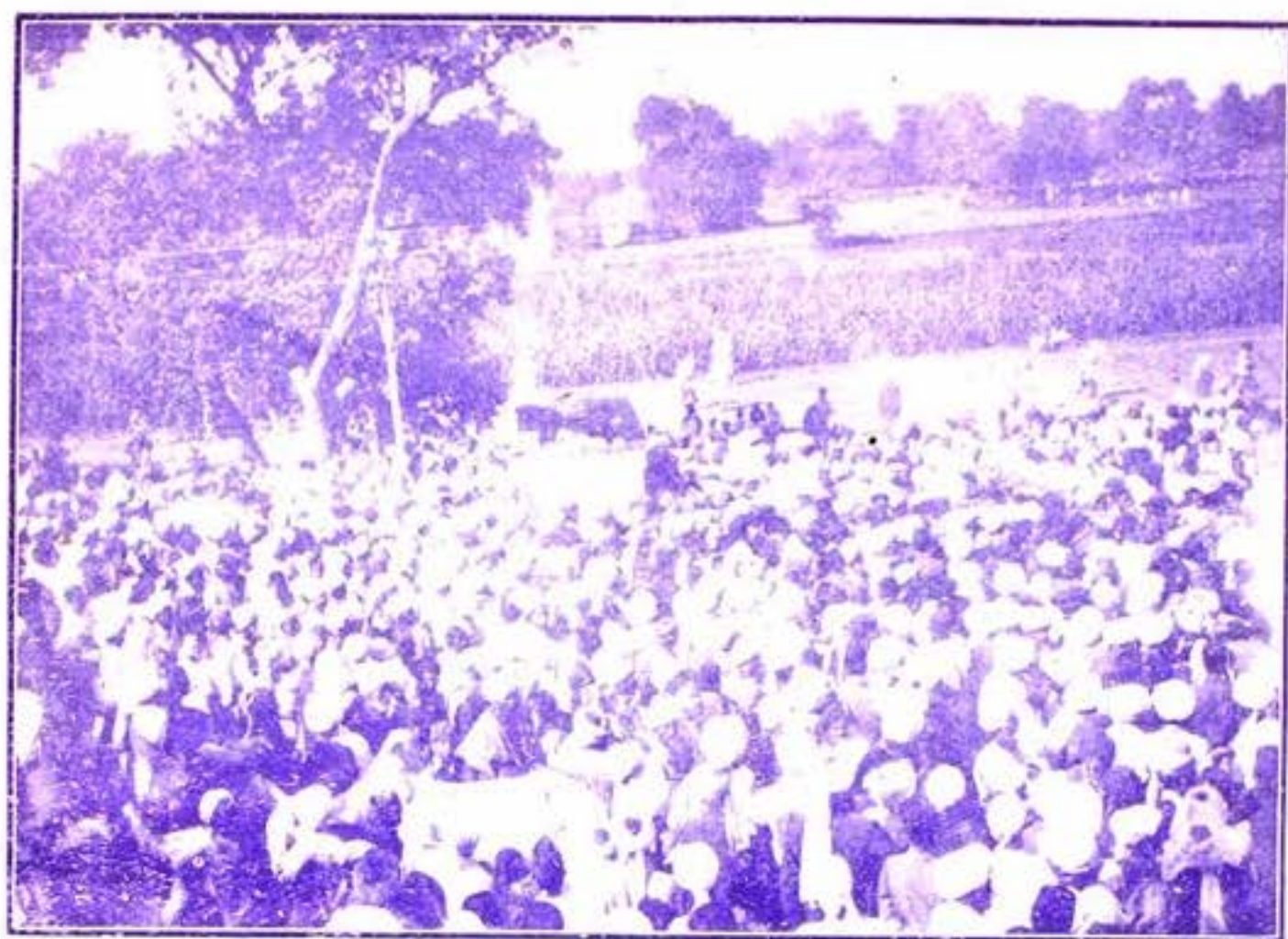
پر کثیر التعداد لوگ واپس لوٹ آئے۔ وسیع و عریض سڑکیں آدمیوں سے اس طرح بھری پڑی تھیں کہ قدم اُٹھانا دشوار تھا۔ لیکن جس تعداد میں لوگ واپس آ رہے تھے۔ اُس سے زیادہ تعداد میں جا رہے تھے۔

اجتماع کا نظارہ

چوبرجی کے میدان کی طرف جتنے راستے جاتے ہیں وہ سب زندہ انسانوں کی دو بے پناہ موجوں کا رقص زار بنے ہوئے تھے۔ ایک موج شہر کی طرف آ رہی تھی اور دوسری موج میدان کی طرف جا رہی تھی، چوبرجی کے حصے میں جتنے رہٹ تھے چل رہے تھے بلدیہ لاہور کے جتنے سقّے تھے۔ انتہائی جوش عقیدت کے ساتھ اپنی مشکیں بھرے لئے کھڑے تھے۔ بلدیہ کے فائر بریگیڈ کا انجن پائپ کے ذریعہ سے میدان میں پانی بہم پہنچا رہا تھا۔ یہ عقیدتمندان شہید کے وضو کا سامان تھا۔ جنازے میں لاہور کا بڑے سے بڑا اور چھوٹے سے چھوٹا آدمی شریک تھا۔ برقعہ پوش خواتین بھی اپنے رسولِ پاک صلے اللہ علیہ وسلم کے شہید کا آخری منظر دیکھنے کے لئے بہ تعدادِ کثیر میدان میں پہنچی ہوئی تھیں اور پہنچ رہی تھیں۔ ستر ستر اسّی اسّی سال کے بڑھے جن کی کمریں کہولت سِن کی وجہ سے جھک گئی تھیں اور جنہیں قدم اُٹھانا دشوار تھا، بے تابانہ وہاں پہنچے ہوئے تھے۔ اور شہیدِ راہِ حق کے نظارے سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر رہے تھے۔ انسانوں کی صحیح تعداد کا اندازہ محال ہے۔ لیکن بلا شائبہء مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ اس منظر میں پانچ چھ لاکھ سے کم مسلمان شریک نہ ہوں گے دنیا نے اسلامی علوم کی کتابوں میں "شہادت" اور "شہید" کے الفاظ پڑھے ہوں گے اسے کہتے ہیں "شہادت"، اس کا نام ہے "شہید"۔ یہ ہے کائناتِ انسانیت کے لئے "زندہ گواہی"۔

میت کی کیفیت

لمبے بانسوں پر ایک چارپائی بندھی ہوئی تھی۔ اِس

چارپائی پر پھولوں کا بستر تھا، اِس بستر پر ایک چوبی صندوق رکھا تھا۔ جس میں اس شہیدِ راہِ حق کا خاموش جسم بند تھا، جسے آج سے پندرہ روز بیشتر ایک دنیادی عدالت کے حکم کے ماتحت پھانسی دی گئی تھی۔ صندوق کے بالائی حصّے پر ایک سادہ چادر پڑی ہوئی تھی جس کے حاشیوں پہ یہ شعر لکھا تھا ؎

شنیدم کہ در روزِ اُمید و بیم
بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

اس چادر پر دو ڈھائی بالشت اونچی پھولوں کی تہ تھی۔ عقیدت مند ٹوکریوں میں جھولیوں میں اور ٹوپیوں میں پھول بھر بھر کر لا رہے تھے۔ اور شہید کی میت پر عقیدت مندانہ ڈال رہے تھے۔ عرق گلاب کی بوتلوں پہ بوتلیں چھڑکی اور اُنڈیلی جا رہی تھیں۔ خدا معلوم کتنے من پھول اور کتنے من عرق شہید علم الدین کی نذر کیا گیا۔ خدا معلوم کتنی زبانیں اس روز "بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم" کو دہرا رہی تھیں۔ یہ ہے "شہادت" یہ ہے صداقت اور سچائی کی "زندہ گواہی"

شہادت اِسے کہتے ہیں

چوبی صندوق کی ہر اندیشۂ اختلال سے محفوظ تنہائی میں ایک بظاہر کالا خاموش جسم مگر حقیقتہً ہمہ تن گویا وجود گواہی دے رہا تھا۔ علی الاعلان گواہی دے رہا تھا۔ زمین کی وسعت میں بسنے والے ہر زندہ وجود اور سطحِ ارض سے لے کر ملاءِ اعلےٰ تک کی ہر سامع ہستی کو سنا رہا تھا کہ جب تک فرزندانِ توحید میں قربان ہونے والے باقی ہیں۔ اِن کے آقا و مولےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی عزت و حرمت کو کوئی اندیشہ نہیں۔ اور پانچ لاکھ کلمہ پڑھنے والی زبانیں اس قولِ حق کی سچائی پر گواہی دے رہی تھیں۔ یہ جو تم بار بار سُنتے ہو "شہادت۔ شہادت" تو یہ ہے شہادت۔ یہ ہے زندہ گواہی۔ وہ گواہی جسے دنیا کی کوئی طاقت جھٹلا نہیں سکتی۔ حتےٰ کہ وہ عدالت

جھٹلا نہیں سکتی۔ جس کے حکم کے ماتحت شہید علم الدین نے ۳۱؍ اکتوبر کی صبح کو میانوالی کی غربت میں جامِ شہادت نوش کیا۔

اندیشۂ مرگ سے پاک زندگی

تم نے قرآن حکیم میں پڑھا ہو گا۔ مقررین کی زبانی تم نے سنا ہو گا۔ اخبارات اور رسالوں کے صفحوں پر دیکھا ہو گا کہ وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ ۝ تو یہ ہے وہ زندگی جو موت کی دسترس سے باہر ہے۔ جس پر سارے فرزندانِ توحید گواہی دے رہے ہیں۔ لاہور میں ۱۴؍ نومبر کی صبح کو چو برجی کے میدان کے اندر پانچ لاکھ مسلمانوں نے جمع ہو کر گواہی دی حکومت کی عدالتیں اپنے اصول و قواعد کے مطابق انسانوں کے جرم و بے جرمی کے فیصلے کر سکتی ہیں۔ اپنے اصول و قواعد کے مطابق لوگوں کو پھانسیاں دے سکتی ہیں اور ان کے حی و زندہ جسموں کو لمحوں اور منٹوں میں عام مسلّمات کے مطابق بے جان بنا سکتی ہیں۔ مگر اس زندگی پر انہیں کیا دسترس حاصل ہے جس کا ایک منظر ۱۴؍ نومبر کی صبح کو چو برجی کے میدان میں رونما ہوا۔ جس میں نہ محض لاہور و مضافلات ہی کے لاکھوں مسلمانوں نے شرکت کی بلکہ انبالہ، امرتسر، لدھیانہ، جالندھر، قصور، گوجرانوالہ، جہلم، گجرات اور میانوالی تک کے مسلمان سینکڑوں، ہزاروں کی تعداد میں عقیدتمندانہ شریک ہوئے۔

مقامِ شہادت کی بلندی

ہم نے اِن لوگوں کے جنازوں کی کیفیتیں دیکھی اور سُنی ہیں۔ جن کی عمریں خدمتِ علومِ دین میں صرف ہوئیں۔ ہم نے اِن لوگوں کے جنازوں کی کیفیتیں دیکھی اور سُنی ہیں جن کی عمریں وعظ و تذکیر میں گزریں۔ ہم نے اکابر صوفیا و اتقیا کے جنازوں کی کیفیتیں دیکھی اور سُنی ہیں۔ پادشاہوں اور سلطانوں کے جنازوں کی کیفیتیں دیکھی اور سنی ہیں

علم الدین شہید عالم دین نہ تھا۔ واعظ نہ تھا، کوئی مشہور یا غیر مشہور صوفی و متقی نہ تھا کسی گروہ یا جماعت کا قائد نہ تھا کسی ملک یا اس کے کسی حصّے کا پادشاہ اور سلطان نہ تھا۔ ۱۴ ارنومبر کو چوبرجی کے میدان میں جمع ہونے والے لاکھوں مسلمانوں میں سے شاید چند افراد کا ذاتی شناسا ہو گا۔ مگر اس کی شہادت نے اور حرمت رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کی زندہ گواہی نے اسے وہ مقامِ بلند عطا کیا جو ہزاروں اتقیا، ہزاروں سلاطین اور ہزاروں علما، کو بھی نصیب نہیں ہوا۔ جن کے آوازۂ شہرت میں ایک دنیا بہ رہی تھی۔ یہ ہے مقامِ شہادت، یہ ہے منصب بلند مَنْ یُقْتَلُ فی سبیل اللہ۔ ان ھٰذہٖ تذکرہ فمن شآء اتخذ الیٰ ربہٖ سبیلا"

ہجوم کے ہاتھوں میں مختلف اخبار تھے۔ لیکن سیاست کا سرورق شہید کے خون کی طرح سُرخ تھا اور صفحہ اول پر ایک نظم درج تھی۔ جو بے حد پسند کی گئی اس نظم کا پہلا شعر یہ ہے ؎

کِسی نے جا کے علم الدین سے پوچھا تو حکم قتل سنکر بھی ہے بشاش

جنازہ کس نے پڑھایا

علے الصباح مولینا سید حبیب کے پہنچنے پر علامہ اقبال نے یہ سوال کیا کہ جنازہ کون پڑھائے کہا گیا کہ شہید مرحوم کے باپ طالعمند سے پوچھو۔ انہوں نے یہ حق علامہ اقبال کو دیا جنہوں نے سید صاحب کے ایما پر حضرت مولینا سیّد محمد دیدار علی صاحب کا اسم گرامی لیا۔ مگر وہ تشریف نہ لائے تھے اور کہا گیا کہ فیصلہ جلد ہو اس پر قاری محمد شمس الدین صاحب کا نام لیا گیا۔ جو مسجد وزیر خاں مرحوم کے خطیب ہیں۔ اسکے بعد مولانا دیدار علی شاہ صاحب معہ مولانا سید احمد شاہ صاحب تشریف لے آئے۔ آپ سے ذکر کیا گیا۔ تو آپ نے فرمایا جو ہوا ہے خوب ہوا ہے مسلمان اس سے بہت خوش ہوئے۔ نمازِ جنازہ اول مرتبہ قاری صاحب نے پڑھائی۔ (سیاست)

علم الدین شہید کی تدفین کی تفصیلات

رضا کاروں کا حسن انتظام، اکابر کی مساعی جمیلہ

جنازہ ساڑھے دس بجے کے قریب جنازہ اُٹھایا گیا۔ ہزارہا لوگ کندھا دینے کے اشتیاق میں آگے بڑھے۔ بہت سے لوگ جو کندھا دینے سے محروم رہے۔ انہوں نے اپنی پگڑیاں تابوت کے بانسوں میں ڈال لیں۔ جنکو سینکڑوں لوگوں نے تھام رکھا تھا۔ چند ایک بدباطن اشخاص نے نظام کو درہم برہم کرنے کی کوشش کی۔ مگر مولانا ظفر علی خان۔ حکیم احمد حسن اور دیگر رضا کاران علم الدین کمیٹی کی مساعی نے نظام کو درست کر دیا۔ مسلمان کلمۂ شہادت اور درود شریف پڑھتے چلے آ رہے تھے۔ لوگ نہایت امن و سکون کے ساتھ میانی صاحب کی طرف جا رہے تھے۔ گاہے بگاہے اللہ اکبر۔ غازی علم الدین زندہ باد۔ اسلام زندہ باد اور ہندوستان زندہ باد کے نعرے لگائے جاتے تھے۔

لوگوں کا تانتا اس وقت بھی لوگ دور دور سے بھاگے چلے آ رہے تھے جہاں تک نظر کام کر سکتی تھی۔ دُور تک آدمیوں کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا نظر آ رہا تھا۔

مستورات راہ میں اور میانی صاحب میں مستورات ہزاروں کی تعداد میں جمع تھیں۔ جو اونچے ٹیلوں اور چھتوں پر بیٹھیں کلمہ پڑھ رہی تھیں۔

میاں طالعمند والد شہید علم الدین جنازہ لانے سے قبل میاں طالعمند والد علم الدین شہید میانی صاحب

قبرستان میں آئے۔ لوگ ان کے گرد پروانہ وار گر رہے تھے۔ آپ کے گلے میں پھولوں کے ہار تھے۔

جنازہ میانی صاحب میں

۱۲ بجے جنازہ میانی صاحب پہنچا۔ وہاں ہزارہا لوگ موجود تھے۔ راہ میں لوگ مٹھیاں بھر بھر کر پھول جنازہ پر پھینک رہے تھے۔ کئی گڈے پھولوں سے لدے ہوئے تھے جو مفت پھول تقسیم کر رہے تھے۔

قبر میں پھول

قبر نہایت صاف ستھری بنائی گئی تھی لوگ پھول لا کر قبر میں پھینک رہے تھے۔ یہانتک کہ پھولوں کا ایک زبردست فرش بچھا ہوا تھا۔ ۱۲ بجے کے بعد نعش قبر میں اُتاری گئی۔ اس وقت تمام ہجوم کلمہ شہادت پڑھ رہا تھا۔ لوگوں نے لاتعداد ہار اور پھول قبر میں پھینکے۔ اس کے بعد فاتحہ پڑھی گئی (یعنی مٹی دی گئی)

رضاکاروں کا انتظام

علم الدین کمیٹی کے رضاکار اس تمام عرصہ میں نہایت جانفشانی سے کام کرتے رہے انہوں نے تمام گمشدہ چیزوں کو اپنے قبضہ میں کر لیا۔ اور اعلان کر دیا کہ اگر کسی کی چیز کھو گئی ہو تو کل علم الدین کمیٹی کے دفتر میں آ کر لے سکتا ہے۔ ان کو بہت سی چیزیں دستیاب ہوئیں۔

واپسی

قبر پر مٹی پڑ جانے پر بھی لوگ ہزارہا کی تعداد میں آ کر پھول چڑھا رہے تھے۔ اور دوسرے شہروں کے لوگ بھی بھاگے چلے آ رہے تھے۔ علم الدین کمیٹی کے رضاکار امیر بخش پہلوان کی معیت میں اپنے دفتر کو چلے گئے۔

اکابرین کی مساعی

سر شفیع۔ ڈاکٹر سر اقبال، مولینا ظفر علی خان، ملک لال دین قیصر، غلام مصطفٰے حیرت، حکیم احمد حسن (جنہوں نے ہجوم کو قابو میں رکھنے کی انتہائی کوشش کی) کی خدمات قابلِ استحسان ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ حکیم صاحب کو رات دیر سے نعش ملنے کی اطلاع ملی۔ آپ فوراً سٹیشن پر پہنچے لیکن گاڑی نہ مل سکی۔ تمام رات آپ نے سٹیشن پر جاگ کر گزاری اور پہلی ٹرین لاہور پہنچ گئے۔ دوین

ہزار کے قریب لوگ امرتسر سے آئے ہوئے تھے۔

شہر میں ہڑتال شہر لاہور میں اس دن تمام مسلمان دُکانداروں نے مکمل ہڑتال کی ہوئی تھی۔ ۱۲ بجے کے بعد کئی دُکانداروں نے دکانیں کھول لیں۔ میوہ منڈی، سبزی منڈی، قصاب منڈی بالکل بند رہیں۔ تمام سکولوں کے طلبا اور مسلمان ملازمینِ دفاتر نے بھی تعطیل منائی اور جنازہ میں شرکت کی۔

مسلمانانِ لاہور کی طرف سے حکومت کا شکریہ

۱۸ر نومبر کو سر محمد شفیعؒ اور چھ دیگر ممتاز مسلمانوں نے ایسوسی ایٹڈ پریس کو مندرجہ ذیل بیان دیا۔

"چونکہ میاں علم الدین شہیدؒ کی میت حکام نے ہمارے حوالہ کر دی اور شہید موصوف کی وصیت کے مطابق پُرامن اور بغیر کسی ناگوار واقعہ کے میانی صاحب میں سپردِ خاک کر دی گئی۔ ہم مسلم قوم کی طرف سے ہز ایکسیلنسی سر جافرے ڈی مونٹ مورنسی کا دلی شکریہ ادا کرتے ہیں کہ اُنہوں نے ازراہِ عنایت ہمارے وفد کی اس درخواست کو منظور کر لیا کہ میت لاہور میں دفن کرنے کے لئے ہمارے حوالہ کر دی جائے۔ حکومت پنجاب کی طرف سے دوراندیشانہ تدبّر کا یہ فعل نہ صرف اہلِ وفد بلکہ تمام مسلم قوم کے لئے عمیق اطمینان کا موجب ہُوا ہے۔ جنازہ کے موقعہ پر مسلمانوں کے عظیم الشان اجتماع نے جس بُردباری کا ثبوت دیا ہے۔ تمام جماعتوں اور فرقوں کے باشندگانِ لاہور اس کی تعریف کرتے ہیں"۔

اس اعلان پر دستخط کرنے والے اکابر کے اسمائے گرامی حسبِ ذیل ہیں:۔

سر محمد شفیع، سر محمد اقبال، خلیفہ شجاع الدین۔ میاں عبدالعزیز۔ میاں امیر الدین۔ سید محسن شاہ۔ ملک محمد حسین۔ مولوی غلام محی الدین

مسلمانوں نے عاشقِ رسول کی رہائی کیلئے کتنا روپیہ خرچ کیا

دنیا میں لڑائی جھگڑا اور قتل و غارت ہمیشہ سے شروع ہے۔ ہندو ہندوؤں کو، مسلمان مسلمانوں کو یا ہندو مسلمانوں کو اور مسلمان ہندوؤں کو مارتے رہتے ہیں۔ مگر کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہوتی۔ ایک دوسرے کے متعلقین تگ و دو کر کے خاموش ہو جاتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ علم الدین کے لئے کیوں مسلمان متحدہ و متفقہ طور پر اظہار ہمدردی کرنے لگ گئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ علم الدین ۶ راپریل سے پہلے کچھ ہستی نہیں رکھتا تھا۔ اگر وہ کسی اور بے گناہ ہندو کو مار ڈالتا تو مسلمان اُس سے مطلق ہمدردی نہ کرتے۔ مگر یہاں سوال اُس کے جذبۂ ایمانی کا آ گیا۔ وہ ایسی برگزیدہ ہستی کے جُرمِ عشق میں پکڑا گیا۔ جس کو مسلمان بعد از خدا ساری مخلوقات سے برتر اور افضل یقین کرتے ہیں۔ اور جس کے حق میں علم الدین کے مقتول نے نہایت ناپاک کتاب شائع کی تھی۔ پس مسلمانوں نے اس اسیرِ عشق کی رہائی کے لئے قانونی چارہ جوئی کرنا ضروری خیال کیا۔ اور اس معاملہ میں اس کے غریب باپ کو زیادہ زیر بار کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اگر مسلم وکلاء ایثار سے کام لیتے تو اس قدر روپیہ خرچ نہ ہوتا بہر حال مسلمانوں نے نہایت فراخدلی اور طیبِ خاطر سے چندہ دیا۔ ابتدائی عدالت میں سیشن میں، ہائی کورٹ میں اور پھر پریوی کونسل میں اس کی رہائی کے لئے سعی کی۔ اور اس میں قریباً اٹھارہ ہزار روپیہ خرچ کر دیا۔

شکست و فتح تو قسمت سے تھی ولے اے میر
مقابلہ تو دلِ ناتواں نے خوب کیا

علم الدین کے لئے فراہمی چندہ کا کام مولوی محمد عبداللہ صاحب چغتائی نے بڑی سرگرمی سے کیا ہے۔ خدا انہیں اور تمام دوسرے خلوص سے کام کرنیوالے مسلمانوں کو جزائے خیر دے۔ والدِ شہید اگر ساڑھے تین ہزار روپیہ اپنے پاس سے خرچ کرنے اور دو ہزار روپیہ کا مقروض ہونے کا اظہار کرتا ہے تو اسے قبول کر لینا چاہئے۔ قرین قیاس یہی ہے کہ پہلے والد نے خرچ کیا۔ پھر جوں جوں مسلمانوں کو ہمدردی ہوتی گئی چندہ فراہم ہوتا گیا۔ بہرحال نہ خلوص سے کام کرنے والوں کو شہید کے والد پر احسان جتانا مناسب ہے اور نہ اس کو بدظنی سے کام لینا زیبا۔ مسلمانوں نے اخوّتِ اسلامی کی وجہ سے روپیہ صرف کیا اور طالعمند نے مہر پدری کے سبب۔ جب دونوں نے ہمدردی سے کام لیا تو ایک دوسرے پر بدظنی روا نہیں۔ ہاں اُن وکالت پیشہ مسلمانوں کی قومی بے حسی قابلِ افسوس ہے جنہوں نے مفت کام کرنا تو درکنار، روپیہ لیا۔ حق سے زیادہ لیا اور محنت سے کام نہ کیا۔

لاہور اور میانوالی

میانوالی جو علم الدین کی وجہ سے اس قدر مشہور ہو گیا ہے۔ ایک ضلع کا صدر مقام ہے۔ یہ لاہور سے شمال مغرب کی طرف ہے۔ ریل کی راہ سے اس کا فاصلہ ڈہائی سو میل ہے۔ جو کم از کم ۱۶ گھنٹہ میں طے ہوتا ہے۔ راستہ یوں ہے۔ لاہور سے شاہدرہ۔ شاہدرہ سے سیدھا شمال کی طرف وزیر آباد، وزیر آباد سے لالہ موسیٰ بیاسی میل کے سفر کے بعد گاڑی مغرب کی طرف رُخ کرتی ہے اور پینتالیس

میل تین گھنٹوں میں طے کر کے ملکوآل جا پہنچتی ہے۔ ملکوآل سے جب چلتی ہے تو خوشاب تک تو جنوب مغرب کا رُخ پکڑتی ہے مگر پھر مغرب کو سیدھی ہو جاتی ہے حتیٰ کہ ایک سو تیرہ میل کا فاصلہ ملکوآل سے پونے چھ گھنٹہ میں طے کر کے کندیاں پہنچ جاتی ہے۔ کندیاں سے میانوالی دس میل شمال کی جانب ہے۔ یہاں گاڑی ۲۹ منٹ میں پہنچتی ہے۔ لاہور سے میانوالی تک تھرڈ کلاس کا کرایہ ساڑھے تین روپیہ لگتا ہے

اے میانوالی! تجھے معلوم ہے کہ ہم نے تیری راہوں کو اس قدر وضاحت سے کیوں بیان کیا! صرف اس وجہ سے کہ ایک لیلیٰ عاشق نے تیرے ہاں چند روز قیام کیا اور اس کے چاہنے والوں کا اس تک تانتا بندھا رہا علم الدین خواہ تجھے کتنا ہی مبارک سمجھے کہ تیرے پاس اُسے درجۂ شہادت نصیب ہوا مگر تو لاہور کو مُنہ دکھانے کے قابل نہیں کہ اُس نے اپنا جیتا جاگتا جگر گوشہ تیرے پاس بھیجا اور تو نے اسے سولی پر چڑھا کر اپنی دانست میں بے جان کر دیا۔

اے میانوالی! کیا تو نے نہیں دیکھ لیا کہ اپنی طرف سے تو نے جس کی ہستی مٹا دی وہ سراپا حیات بن گیا۔ جس کے جسم کو تو نے اُس کی شان کے شایاں جگہ نہ دی وہ تجھ سے جدا ہو کر کس شان سے اپنے قدر شناس شہر (لاہور) میں پہنچ گیا۔ شاہنشاہوں کے آقا کا فدائی سپیشل ٹرین میں۔ حکام و سپاہ کے جلو میں اپنے شہر مراجعت فرما ہوا۔ جہاں اس کے لاکھوں چاہنے والوں نے اُس کا خیر مقدم کیا

باز آمد شاہِ ما در کوئے ما

باز آمد آبِ جاں در جوئے ما (مولینا رومؒ)

یہ تیری بد قسمتی تھی کہ تو نے یہ بے بہا دُر کھو دیا اب اپنی بد نامی اور بد نصیبی کا ماتم کیا کر۔

شہید کا مزار

علم الدین شہید کا مزار جس قبرستان میں بنا ہے وہ بنام میانی صاحب موسوم ہے۔ یہ قبرستان قصبہ مزنگ کے متصل لاہور کے مغرب کی طرف ہے۔ لاہور سٹیشن سے مزنگ جنوب مغرب کی سمت واقع ہے اور ڈیڑھ دو آنہ فی سواری ٹانگہ کا کرایہ ہے۔ موچی اور شاہ عالمی دروازہ سے ایک ٹانگہ قبرستان کے شروع میں جنازہ گاہ ہے۔ اسکے پاس سے جنوب کو پختہ سڑک نکلتی ہے۔ جاتے ہوئے بائیں ہاتھ جانب مشرق ایک نو تعمیر شدہ پختہ مسجد اور گنبددار مقبرہ ملیگا جو گیلانی پیر بودیالوں والہ کے روضہ کے نام سے مشہور ہے۔ پیر اصغر علیشاہ صاحب جو محلہ پیر گیلانیاں میں رہتے ہیں اس کے متولی ہیں۔ عرس بھی کرتے ہیں۔ مسجد بھی انہی نے ۱۳۴۴ھ میں بنوائی ہے جس کا تاریخی شعر یہ ہے ؎

گفت تاریخ بنائش حق بہ شایق ز آسماں
مسجد پیران گیلانی بہشت قوم داں

اس روضہ کے آگے گورکنوں کا تکیہ ہے۔ اس تکیہ سے آگے چلیں تو دائیں ہاتھ برلب سڑک سمت غرب علم الدین شہید کا مزار ہے جس کی موجودہ صورت یہ ہے کہ قبر کے گرد ڈبل اینٹوں کی مختصر سی چاردیواری ۲۵×۲۰ فٹ کھچی ہوئی ہے۔ قبر پر سائبان کھڑا ہے۔ سرہانے کی طرف سبز جھنڈا لہرا رہا ہے جسکی چوٹی پر سنہری رنگ کا ہلال و ستارہ چمکتا ہے اس کے پاس کسی نے یہ تاریخی قطعہ لکھکر لٹکا دیا ہے قطعہ

عاشق جانباز را چوں عشق بردارے کشید — بہر استقبال روح طائرِ سدرہ رسید (۱۳۴۸)
آن جوان در جنت الفردوس چوں بنہاد گام — گفت رضواں مرحبا صد بار یا غازی شہید

مزار کے دونوں طرف دو برنجی شمعدان رکھے ہیں۔ قبر کچی ہے جس پہ غلاف اور غلاف پر پھول پڑے ہیں۔ پائینتی کی طرف صندوقچی دھری ہے جس میں زائرین آنے پیسے ڈالتے ہیں۔ قبر سے ذرا فاصلے پر قبلہ کی طرف ایک چٹائی بچھی ہے جس پر علم الدین کے قبلہ مستری طالعمند صاحب بیٹھے ہوئے زائرین کو

حالات بتاتے رہتے ہیں پاس ہی ایک چھولداری ہے جو بارش اور بڑی گرمی سے بچاؤ کے لئے کھڑی کی گئی ہے۔ تجویز یہ ہے کہ مزار کے لئے ۲۲×۱۰ فٹ کا احاطہ چھوڑ کر باقی جگہ چھ چھ فٹ کے چار برآمدے چاروں طرف بنائے جائیں۔ کنواں لگوایا جائے۔ مسجد اور دو حجرے بنوائے جائیں۔ ہمارے

مسجد اور کنوئیں کی ضرورت! خیال میں مزار کے قریب ہی دو مسجدیں موجود ہیں تو تیسری بنانا مناسب نہیں۔ مزنگ کا پانی کھاری ہے اسلئے کنواں لگانا بھی بیفائدہ ہے۔ پہلے بھی نل کا پانی استعمال ہوتا ہے آئندہ بھی اسی سے کام لینا چاہیئے۔ والد شہید کہتا ہے کہ حضرت پیر سید جماعت علیشاہ صاحب قبلہ علی پوری مسجد بنوانے پر مصر ہیں۔ ہمارا ان کی خدمت میں کچھ عرض کرنا لقمان را حکمت آموختن کے ہم معنی ہو گا مگر ہم یہ عرض ضرور کریں گے کہ اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے سے پہلے اس کے حسن و قبح پر غور ضرور کر لیں۔ جب پہلی مساجد ہی نمازیوں کی مرثیہ خوان ہوں تو ایک اور کی تعمیر کہاں تک قرین مصلحت ہے اور خاصکر اُس وقت جب اس سے موجودہ مسجدوں کی رونق میں فرق آنا اغلب ہو۔ اگر کوئی کہے کہ علم الدین کی یہی وصیت ہے تو ہم کہیں گے کہ جب مصلحتاً اس کی کئی ایک وصیتوں کو نظر انداز کر دیا گیا ہے (مثلاً مولوی تاج الدین صاحب مرحوم والی چارپائی پر جنازہ اُٹھانے کی وصیت وغیرہ) تو اس کو بھی ملتوی کیا جا سکتا ہے۔ بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ جب اُس نے اپنی جان کو ناموس مصطفوی پر قربان کر دیا تو اسکی وصیت کو دوسری مساجد کو آباد دیکھنے اور غیر ضروری مصرف سے بچنے کے لئے ملتوی کر دینا مناسب ہو گا۔ امید ہے حضرت پیر صاحب اور دیگر صاحبان اس پر غور فرمائیں گے۔

باقی رہا مزار کو شاندار بنانا سو اس سے کسی مسلمان کو اختلاف نہیں ہو سکتا۔ اس جانباز عاشق محمدی کی آخری آرامگاہ جسقدر عظمت و جرأت اسلامی کا مرقع بنے بجا ہے۔ تاکہ مخالفین یہ نہ کہہ سکیں کہ مسلمانوں نے اسکے جانے کے ساتھ تو اس قدر شان و شوکت کا اظہار کیا اور اس کے مزار کو کس مپرسی کی حالت میں چھوڑ دیا۔

غلط افواہوں کی تردید۔ مزار پر چڑھاوے وغیرہ کے متعلق جو غلط افواہیں پھیلائی جا رہی ہیں وہ حاسدوں اور منکروں کی کرشمہ سازیاں ہیں۔ ہم نے تحقیق کیا ہے کہ اوسط روزانہ

آمد فی الحال سوا روپیہ سے کم ہے اور جمعرات کو سوا تین روپیہ کے قریب۔ یہ افواہ تو قطعاً غلط ہے کہ وہاں بعض زن و مرد بُری نیت سے جاتے ہیں۔ قبرستان تو خوف و عبرت کا مقام ہے۔ وہ کونسا سیاہ دِل شخص ہوگا جو ایسی جگہوں میں بدکاری کی نیت سے جائے۔ اور خواہ مخواہ اولیاء و شہدا کو اپنی بداعمالی کا گواہ بنائے۔ اور جگہ کیا بدکاریوں کے اڈے موجود نہیں کہ اوباشوں کو گورستان میں بُری نیت سے آنے کی ضرورت ہو! جب زیارت قبور جائز ہے تو اس سے نہ مردوں کو روکا جاسکتا ہے۔ نہ عورتوں کو۔ ہاں مستورات کو اپنے محرموں کے ساتھ بہر زیارت جانا اور پردہ کی پابندی کرنا ضروری ہے۔

اُس قبرستان کی تاریخ جسمیں شہید آسودہ ہے

جیسا مذکور ہوا قبرستان کا نام میانی صاحب ہے اور پورا نام میانی پنج ڈھیرا۔ تحقیقات چشتی میں لکھا ہے کہ اکبر بادشاہ کے عہد میں یہاں علماء کی بستی تھی۔ چونکہ پنجابی میں ملائے مسجد کو میاں کہتے ہیں اسلیئے اس بستی کا نام میاں کی طرف منسوب ہو جانے کی وجہ سے میانی پڑ گیا۔ شاہ پرست علماء اسے شاہ پور کہتے تھے رئیس علماء حافظ جان محمد صاحب تھے۔ معافی کا روپیہ انہیں کو ملتا اور دیگر علماء میں تقسیم ہوتا۔ اِنکے بعد اِن کے فرزند ابو محمد قادری افسر مقرر ہوئے۔ بہت سے ملّا اُن سے اختلاف کر کے رخصت ہو گئے اور بستی ویران ہو گئی۔ صرف چند اشخاص ابو محمد صاحب کے متعلقین میں سے باقی رہ گئے۔

اسی اثناء میں ایک شخص میر علی نامی بکھڑ سے یہاں آئے۔ بادشاہ نے معافی میں ان کو ابو محمد صاحب کا ساجھی بنادیا۔ اِن دونوں کے اتفاق سے یہ موضع پھر آباد ہو گیا۔ میر علی صاحب جب یہاں مقیم ہو گئے تو وہ اپنے پانچ بزرگوں کی نعشوں کے صندوق یہیں لے آئے اور انکو میانی میں دفن کر دیا۔ پنجابی میں قبر کو ڈھیری کہتے ہیں۔ لہٰذا پانچ صندوق یکجا دفن ہونے سے اس کا نام میانی پنج ڈھیرا پڑ گیا۔ تحقیق چشتی والے مولوی نور احمد صاحب نے لکھا ہے کہ یہ حال سید شاہ سوار سجادہ نشین شیخ طاہر بندگی کی زبانی معلوم ہوا ہے مگر آؤ ہم اپنے خاندان کے ثقہ مورخ شیخ ابوبکر برادر و خلیفہ قطب العالم حضرت عبدالجلیل جو ہر شاہ بندگی علیہ الرحمۃ اللہ تعالیٰ کی کتاب تذکرہ قطبیہ سے جو قریباً چار سو سال سے ہمارے

ہاں متداول چلی آتی ہے امیانی پنج ڈھیرا کا حال سنائیں بشیخ موصوف (ابوبکر جن کا مزار آگرہ کے محلہ جوگی پورہ میں ہے) لکھتے ہیں :-

"جب سلطان السلاطین بابر نے ہندوستان میں اپنا تسلط جما لیا تو حضرت سید السادات سید علی غازی جو شیخ زین الدین غازی کے حقیقی بھائی اور اکابر اولیائے میں سے تھے بھی ادھر تشریف لائے۔ انہوں نے نیت کی کہ وہ سلطان العاشقین بندگی قطب العالم عظمہ اللہ تعالےٰ کے کسی طالب سے مل کر اشکال طریقت حل کرینگے جب آپ شہر لہانور (لاہور) میں پہنچے تو حضرت بندگی قطب العالم کے روضہ منورہ میں پہنچکر مشغول عبادت ہو گئے۔ اسی رات آنحضرت (شیخ عبدالجلیل) کا مجھے باطنی ارشاد ہوا کہ فرزندم سید علی کو طریقت کے اشکال سمجھا دے اور اپنا محرم اسرار بنا لے اور آپ کا ہاتھ بھی میرے ہاتھ میں دے دیا۔ سید علی نے بھی ایسا ہی ملاحظہ کیا چنانچہ وہ ایک مدت میری صحبت میں رہے اس کے بعد وہ میانی پنج وہرا کے نزدیک سکونت پذیر ہو گئے۔ وہیں آپ نے رحلت کی اور وہیں آپ کا مزار بنا جو مشہور و معروف ہے۔"

اس سے ثابت ہوا کہ میانی پنج وہڑا بابر بادشاہ کے عہد میں بھی موجود تھا یعنی ۹۳۷ھ سے بھی پہلے جو بابر کا سال وفات ہے۔ اس کا بیٹا ہمایوں ۹۶۳ھ میں فوت ہوا۔ جب کہ اکبر چودہ سال کا تھا اور جو ۱۰۱۴ھ تک بادشاہ ہند رہا۔ مجھے اسکی وجہ تسمیہ میں بھی کلام ہے کیونکہ پنجابی میں قبر کو ڈھیری کہتے ہیں ڈھیرا نہیں کہتے۔ ہماری خاندانی کتاب میں جو فارسی میں ہے اسے میانی پنج وہرہ سا لکھا ہے۔ وہڑہ پنجابی میں صحن کو کہتے ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ موضع اپنے پنج صحنوں کی وجہ سے مشہور ہو۔ مشکل یہ ہے کہ فارسی میں نہ حرف ڈ ہے نہ ڑ۔ ممکن ہے نام پنج ڈیرا ہو۔ پنج وہڑہ یا پنج ڈھیرا۔ خیر جو کچھ بھی ہو یہ موضع عہد بابری میں موجود تھا۔ تحقیقات چشتی میں مسطور ہے کہ ابو محمد بن جان محمد موصوف شیخ طاہر بندگیؒ نقشبندی کے مرید ہوئے۔ شیخ صاحب حضرت مجدد الف ثانی کے فیض یافتہ تھے اور حصار لاہور کے محلہ شیخ اسحٰق میں رہتے تھے اور یہ محلہ وہاں واقع تھا جہاں اب حویلی جمعدار خوشحال سنگھ متصل چونے منڈی ہے شیخ طاہر بندگیؒ اپنے وقت کے قطب تھے۔ ہزاروں آدمیوں کو آپ سے فیض پہنچا۔ آپ کبھی کسی امیر کے پاس نہیں گئے۔ احادیث و تفاسیر کی کتابت ذریعہ معاش تھا۔ مفتی غلام سرور صاحب مرحوم

شیخ طاہر بندگی

علاء الدین سکندر میں پیدا ہوئے۔ شیخ موسیٰ آہنگر جن کا مزار درگاہ جلیلہ کے جنوب کی طرف سبز گنبد میں متصل قلعہ گوجر سنگھ ہے آپ کے مرید اور خلیفہ

لاہوری کی تحقیق کے مطابق آپ قریشی فاروقی (از اولادِ حضرت عمر فاروقِ اعظمؓ) ہیں ریستان سے لاہور آئے اور ۵ محرم ۹۸۰ھ میں بعہدِ شاہنشاہ غازی شاہ جہان لاہور میں بعمر ۵۶ سال واصل بحق اور میانی میں دفن ہوئے"۔

چونکہ شیخ طاہرؒ نے فرمایا تھا کہ جو کوئی میرے احاطہ مزار میں مدفون ہوگا اس کے لئے میری خدا سے دُعا ہے کہ جنتی ہو اس لئے آپ کے معتقد آپ کے پاس دفن ہونے لگے۔ جب عہد محمد شاہ بادشاہ میں موضع میانی بالکل اُجڑ گیا تو یہ جگہ عام قبرستان بن گئی یعنی اس موضع کو عام گورستان کی شکل اختیار کئے دو سو سال ہو گئے ہیں۔ اور خواص کا تو یہ چار سو برس سے مدفن ہے۔

علم الدین شہید کے مزار سے آگے سڑک پر چلے جائیں اور مشرق سے مغرب کو جانے والی سڑک کے کاٹنے کا کچھ خیال نہ کریں اور برابر جنوب ہی کو بڑھے چلیں تو سامنے پرانی عمارتیں ملیں گی انہی عمارتوں کے پیچھے شیخ طاہرؒ کا مزار ہے جس کی چار دیواری گر چکی ہے۔ مغرب

مزارِ طاہر بندگیؒ

کی طرف مختصر سی مسجد بھی خستہ حالت میں ہے۔ مزار کے شمال کی طرف ایک گول سا چبوترہ ہے۔ اسی کو تنج ڈھیرا کہتے ہیں۔ اسی مزار کے جنوب مشرق کی طرف ایک عالیشان عمارت باغیچہ رانی گل بیگم از وجہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے نام سے موسوم ہے یہ ۱۲۷۲ھ کی تعمیر ہے۔ رانی کی قبر اسی باغیچہ میں ہے جو اس عمارت کی تکمیل کے گیارہ برس بعد فوت ہوئی (نامسلم راجہ کی زوجہ مسلمانوں کی طرح کیوں دفن ہوئی؟ میں یہ قصہ نہیں سمجھا۔

قتلِ راجپال جیسے ناگوار واقعات روکنے کی سبیل

علم الدین شہید کے جنازہ کی کیفیت دیکھنے کے لئے جو بُرجی گراؤنڈ میں چند ہندو نامہ نگار بھی تھے جو دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہے تھے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عشق میں کس قدر سرفرازیوں

کے جلوے موجود ہیں۔ چار لاکھ سے زاید مسلمانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر کس بے نظیر ضبط و نظام سے قایم ہے۔ بعض اس نظارہ کو دیکھ کر آتش حسد سے جل بھن کر کباب ہو گئے۔ چنانچہ پرتاپ نے کوسنے دینے شروع کر دیئے کہ مسلمان قاتلوں کو آسمان پر چڑھا کر ایک نئی رسم کی بنیاد ڈال رہے ہیں۔ حالانکہ پہلے خود ہندو ہی راجپال کی ارتھی کا جلوس نکال کر الباد ی اظلم کے مصداق ہو چکے تھے۔ غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ راجپال کی زندگی کا بڑا کارنامہ یہی تھا۔ کہ اُس نے مسلمانوں کے آقا و مولا روحی فداہ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے خلاف ایک ناپاک کتاب چھاپی جس سے کروڑوں مسلمانوں کے دل زخمی ہوئے۔ علم الدین کے دل کو ٹھیس لگی اور اُس نے بے اختیار ہو کر اسے قتل کر دیا۔ ہندوؤں نے بڑی شان و شوکت سے اس کی ارتھی کا جلوس نکالا۔ ہزاروں ہندو اس میں شریک ہوئے۔ اس کی یادگار بنانے کے لئے پانچ ہزار روپیہ چندہ جمع کیا گیا۔ اور اس طریق سے دل آزار کتابیں لکھنے کی جرات دلائی گئی۔ جو ایک نہایت کمینہ حرکت ہے۔ بالکل صحیح لکھا ہے انقلاب نے کہ مسلمان از سر تا پا تلطف رحم رواداری اور نیکی کے پیکر ہیں۔ مگر ان کے دلوں میں نشتر چبھو چبھو کر رحم اور رواداری کی توقع رکھنا انتہا درجہ کی جہالت ہے۔ آؤ ہم آج بھی آپس میں مل بیٹھیں۔ حیوانوں (گائیوں) کی خاطر انسانوں کا خون نہ بہائیں اور ایسی صورت حالات پیدا کر دیں کہ کوئی ہندو کوئی مسلمان کسی مذہب کے بزرگ پر کوئی حملہ نہ کرے۔ کسی کے مذہب اور مسلّم شعار پر طعن نہ کرے تاکہ ناگوار واقعات کا منبع رُک جائے۔ آگ برسا کر پھولوں کی توقع رکھنا نادانی ہے"۔

مسلمانوں کو تو پہلے ہی بواسطہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ہدایت ہے کہ لا تسبوا الذین الخ یعنی مشرکوں کے جھوٹے معبودوں کو بھی برا نہ کہو۔ اگر غیر مسلم بھی اس پر عمل پیرا ہو کر اہل اسلام کے بزرگوں کے حق میں گستاخی نہ کریں تو آئندہ ہر قسم فسادات اور مناقشات کا بآسانی ستباب ہو سکتا ہے۔ وما علینا الا البلاغ ✦

نقشہ مزارِ غازی علم الدین شہید
تیار کردہ
منشی واجد علی صاحب ڈرافسمین
سکیل = ۲۵ = ۱ انچ
شمال

علم الدین شہید کا مزار

اور
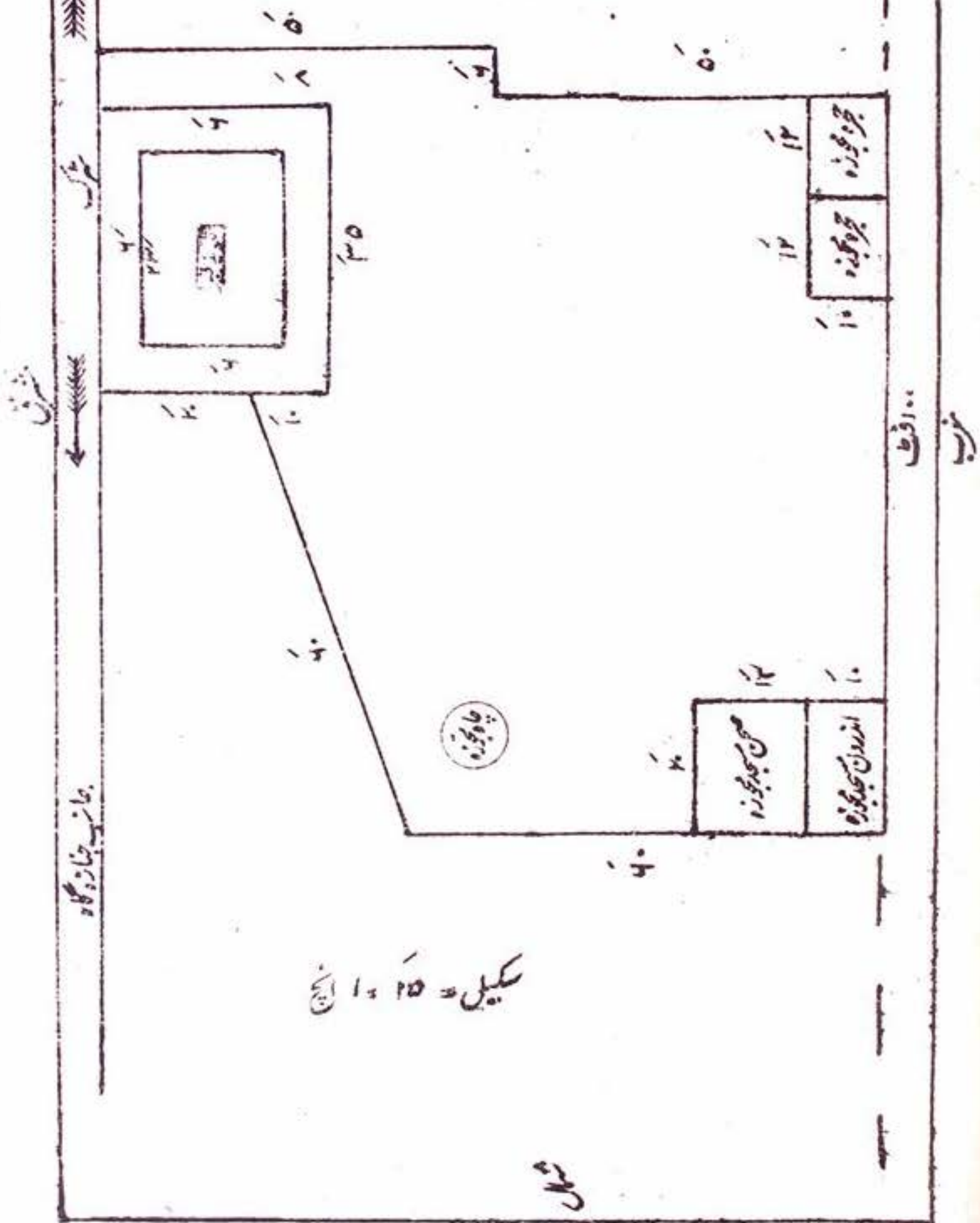
ایک خاتون کی محبتِ دینی کا اظہار

ہم دیباچہ میں بیان کر آئے ہیں۔ کہ علم الدین ہمارا صورت آشنا نہ تھا۔ ہم نے یہ کتاب محض اُس کے عشق رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے لکھی ہے۔ ہم نے چند وکیل دوستوں کا بھی اس سلسلے میں خاص طور پر ذکر کیا تھا مگر جب معلوم ہوا کہ اُن کا کام اخلاص پر مبنی نہ تھا تو ہم نے اسے ترک کر دیا۔ مناسب معلوم ہوا کہ ان کی بجائے اس نیک بخت خاتون کا ذکر کر دیا جائے جو محض دینی الفت کی وجہ سے قریباً سو روپیہ کی لاگت سے علم الدین کی لوحِ مزار تیار کرا رہی ہے۔ یہ بی بی نومسلمہ ہے۔ انجمن حمایت اسلام لاہور کے زنانہ یتیم خانہ کی مہتمہ ہے نام غالباً حسن آرا بیگم عرف مسز بیگ ہے۔ علم الدین سے اس کا کوئی رشتہ نہیں۔ صرف محبتِ رسول صلی اللہ کا رشتہ ہے جس نے اسکے دل سے قافیہ و ردیف کی قید سے آزاد اشعار موزون کرائے ہیں جو چند روز میں دوکان حاجی معراج الدین اینڈ سنز سے سنگ مرمر پر کندہ ہو کر علم الدین کے مزار پر زائرین کے سامنے اخوتِ اسلامی کا خوشنما منظر پیش کرینگے اور اُن مردوں کے لئے سبق آموز ہوں گے جن سے عورت جتنا بھی اخلاص ظاہر نہیں ہوا۔

اے برادر خود بریں اکسیر زن | کم نباید صدقِ مرد از صدقِ زن
آں دِلِ مردے کہ از زن کم بود | آں دلے باشد کہ کم زاشکم بود

(مولانا روم)

بہر حال نقل کتبہ درجِ ذیل ہے۔ اخلاصِ دلی کو دیکھنا چاہئے نہ کہ زبانی فصاحت کو۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

مرقدِ غازی علم الدین

تاریخ پیدائش ۳ دسمبر ۱۹۰۸ء

تاریخ شہادت ۳۱۔اکتوبر ۱۹۲۹ء

اظہارِ الفت

بجلی کڑکدی اللہ اکبر والی | منہہ کلمے دا چھم چھم برس گیا
اوتھے رحمت جھڑیاں لادتیاں | غازی شیر اللہ دا لنگھ گیا
اے عاشقِ حق دلدارِ محمد | قربان ہو رکھ لی شانِ محمد
آرزو بر آنے کی مجھے خوشی کیوں نہ ہو | عاشقِ حق دیکھیں دل کو جنبش کیوں نہ ہو
جامِ الفت پی جے سرِ راہِ حق میں دیجئے | مال و زر اور زندگی قربان اس پہ کیجئے

صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ
وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمْ

سیدنا امام حسینؓ اور علم الدینؒ کی وصیتیں

روزِ شہادت عرس

صاحبان! آپ نے علم الدین شہید کی جو وصیتیں ملاحظہ کیں اُن میں آپ نے دیکھ لیا کہ شہید موصوف نے ماتم کرنے سے کئی بار منع فرمایا ہے۔ کہ کوئی مسلمان میرے جنازے پر آنسو نہ بہائے۔ باپ غم نہ کرے ماں صبر کا دامن پکڑے اور کوئی شخص میت کے ساتھ ننگے سر شریک نہ ہو۔

علم الدین نے جو کچھ کہا وہ عین احکام الٰہی ارشاد نبوی اور اقوال ائمہ دین کے مطابق ہے۔

قرآن شریف میں صاف مذکور ہے وَبَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَا اَصَابَتْهُمْ مُصِيْبَةٌ قَالُوْا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۝ اس میں صبر کرنے والوں کو جو مصیبت پہنچنے پر اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا الیہ راجعون (یعنی ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور اُسی کی طرف لوٹنے والے ہیں) پڑھنے کے سوا اور کچھ نہیں کہتے (یعنی ماتم اور جزع فزع نہیں کرتے) بہشت کی خوشخبری دی گئی ہے۔ اسی ارشاد الٰہی کو مدنظر رکھتے ہوئے بزرگان دین نے ہمیشہ صبر ہی کی تلقین کی۔ چنانچہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کے فرزند سیدنا طاہرؓ فوت ہوئے تو آپ نے ان کی والدہ حضرت خدیجہ کو رونے سے منع فرمایا۔ جیسا کہ حیات القلوب شیعی کتاب میں مذکور ہے۔ حضور صلعم کے چچا سیدنا حمزہؓ بڑی بے دردی سے شہید کئے گئے۔ مگر باوجود اس کمال صدمہ کے آپ نے نوحہ کرنے سے روک دیا۔ جب حضور کے چچا زاد بھائی

جعفر طیارؓ نوے زخم کھا کر شہید ہوئے۔ تو آپ نے عورتوں کو ماتم کرنے سے منع فرمایا۔ اور جو نہ رکیں تو فرمایا کہ ان (ماتم کرنے والیوں) کے منہ میں خاک بھر دو۔

حضور کی رحلت امت کے لئے سب مصیبتوں سے بڑی مصیبت تھی۔ مگر اس دن حضرت علیؓ اور لخت جگر نبی سیدہ فاطمہؓ نے حسب وصیت حضورؐ کے نہ جزع فزع کیا۔ اور نہ ماتم کی مجلس منعقد کی، حضرت علیؓ جب شہید ہوئے۔ تو حسینؓ نے صبر کیا۔ اور ان کی مصیبتِ موت کو رسول اللہؐ کی مصیبت فراق سے کمتر بتایا۔

امام حسینؓ کے سامنے ان کے فرزند، بھتیجے اور قریب ترین رشتہ دار تلوار کے گھاٹ اتر گئے۔ مگر آپ نے صبر کیا۔ اور اظہارِ ماتم سے الگ رہے۔ جب خود میدان جنگ کو جانے لگے۔ تو اپنی بہن کو وصیت کی کہ تم فاطمۃ الزہرا کی بیٹی ہو۔ جس نے رسول اللہ کی رحلت کی سب سے بڑی مصیبت پر صبر کیا۔ تم بھی میری وفات پر صبر کرنا۔

مولانا رومؒ امام حسینؓ کا ماتم کرنے والے کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں ؎

روحِ سلطانے ز زندانے بجست — جامہ چوں دریم و چوں خائیم دست

چونکہ ایشاں خسروِ دیں بودہ اند — وقتِ شادی شد چو بشکستند بند

بر دل و دینِ خرابت نوحہ کن — کہ نمی بیند جز ایں خاکِ کہن

یعنی پاک لوگ دین کے بادشاہ ہوتے ہیں۔ ان کے لئے دنیاوی زندگی بمنزلہ زندان ہوتی ہے۔ اس لئے رہائی پر خوش ہونا چاہیئے۔ نہ کہ غمگین۔ اے اندھے تیری آنکھیں صرف تن خاکی کو دیکھتی ہیں۔ اور

روحِ لطیف کا مشاہدہ نہیں کرتیں۔ تجھے اپنی کور باطنی اور بے دینی پر ماتم کرنا چاہیئے۔ کیونکہ ان ارواحِ مقدسہ کا قفسِ تن سے رہائی پانا موجبِ خوشی ہے۔ نہ کہ باعثِ غم،

ہم بہت خوش ہیں۔ کہ جس طرح امام حسینؓ کے متعلقین نے امام حسینؓ اور ان کے عزیزوں کی شہادت پر صبر کیا۔ اسی طرح علم الدین کے متعلقین نے صبر سے کام لیا۔ افسوس ان بھائیوں پر ہے جو کہلاتے ہیں امام حسینؓ کے محبّ مگر کرتے ہیں ماتم اور جزع فزع ۔ وہ اگر دائرۃ الاصلاح لاہور کا رسالہ ماتم کی شرعی حیثیت ملاحظہ کریں تو معلوم ہو کہ نوحہ و ماتم حرام ہے ؎

شہید زندہ ہیں جنت میں چین کرتے ہیں ۔ حسد ہے ان سے جنہیں شور و شین کرتے ہیں
خوشی سے ان کی جو خوش ہیں وہ غم سے ہیں آزاد ۔ جو ان سے جلتے ہیں دن رات بین کرتے ہیں

(آزاد)

عرس کے معنی ہیں مجلسِ شادی یا نکاح کا کھانا۔ اسی خوشی کی مناسبت سے بزرگوں کے یومِ وصال کو عرس کہتے ہیں۔ پس اس دن ماتم و نوحہ بالکل نامناسب ہے۔ اور شہیدوں کا ماتم تو کسی صورت میں بھی جائز نہیں۔ کیونکہ وہ بنصِ قرآنی زندہ ہیں۔ اور کوئی عقلمند زندوں کا ماتم نہیں کر سکتا۔

بھائیو! امام حسینؓ اور علم الدینؒ کی وصیت یاد رکھو اور کبھی ماتم کا نام نہ لو ؎

نوحہ لائق نیست بر خاکِ شہیداں انکہ ہست
کمترین دولتِ ایشاں بہشت برتریں (سعدی)

علم الدین کا عرس ۲۶ جمادی الاولیٰ کو ہے۔ اور تاریخِ شہادت رحمۃ اللہ و برکاتہ ۱۳۴۸ھ

محمد افضل ہاشمی حاکمی از رتہ بہران ۔ ۲۳ فروری ۱۹۳۰ء ۲۳ رمضان ۱۳۴۸ھ

سوانح عمری حضرت غوث الاعظم اُردو

عالیجناب حضرت شاہ ابوالمعالی صاحب کی یہ کتاب نایاب حضرت غوث صمدانی قطب ربانی محی الدین شیخ عبدالقادر گیلانی کے حالات وکرامات میں جامع ہے۔ کتاب ہذا میں حضرت موصوف کے بچپن سے لے کر تا زندگی کل حالات مع کرامات عالیہ نہایت تفصیل کے ساتھ درج ہیں۔ اگر آپ حضرت کے علم وفضل کے مبسوط حالات مدرسہ کی کیفیت یارانِ صحبت کے افکار وغیرہ و دیگر کیفیات ظاہری و باطنی سے باخبر ہوکر مستفید ہونا چاہتے ہیں۔ تو اس کتاب کو طلب فرما کر ضرور ملاحظہ فرمائیں +

علاوہ ازیں حضرت موصوف کے دو رسائل جو علم الکتب سے معمور ہیں۔ کتاب ہذا میں منسلک ہیں۔ یہ رسائل مشہودہ رسالہ نوریہ۔ اُصول فقہ۔ روضۃ الانوار کے نام سے موسوم ہیں۔ حجم کتاب ۱۲۸ صفحات۔ کاغذ اعلیٰ چھپائی صاف ان تمام خوبیوں کے باوجود قیمت ۱۲؍

ندائے غیب اُردو

حضرت جناب غوث پاک کی کتاب فتوح الغیب کا اُردو ترجمہ جس کی خوبی دیکھنے سے ہی تعلق رکھتی ہے۔ حضرت پیران پیر قدس سرہ العزیز کے دلدادہ غلام ضرور ہی خرید فرما کر مطالعہ کریں۔ اور فیض حاصل کریں۔ کتاب پڑھنے لائق ہے۔ قیمت صرف آٹھ آنے (۸؍) +

سوانح عمری خواجہ معین الدین چشتی اجمیری

اس کتاب میں حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین حسن سنجری چشتی اجمیری کے حالات زندگی اور کرامات بہ تفصیل درج ہیں۔ عاشقانِ سرکار چشتیہ اور دلدادگان دربار خواجہ غریب نواز کی تو گویا یہ کتاب جان ہے۔ منگا کر مطالعہ فرماویں۔ قیمت صرف آٹھ آنے (۸؍) +

(ملنے کا پتہ)

منشی عزیز الدین نجم الدین تاجران کتب لاہور۔ بازار کشمیری

اطلاع
قاعدہ سیپارے قرآن مجید حمائل شریف
مترجم و معرا
نیز ہر قسم کی کتابیں خوشخط اور بارعایت
منگوانے کا پتہ
منشی عزیز الدین نجم الدین تاجران کتب
کشمیری بازار لاہور